ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۳–۱۰ جون سنہ ۱۹۷۱ء قیمت :— ۵۰ پیسے ہوائی ڈاک سے :— ۶۰ پیسے

ہم انقلابی بیٹیاں ہیں بندوق ہمارے ہاتھ میں ہے

آزادیِ فلسطین کی تنظیم "الفتح" کی سالگرہ

مضمون صفحہ ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیے



مشرقی پاکستان میں عوام کے خلاف سامراجی سازشیں

ان کہی کہانیاں

شاہ حسین کے دادا سے گولڈا میئر کی خفیہ ملاقات

ایک اہم انکشاف

ٹیکسی ڈرائیور علی احمد کا قاتل کہاں بھاگ گیا

ایک خبر کی کہانی

کشور ناہید

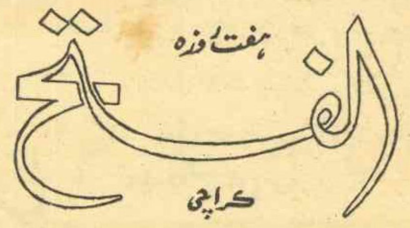
زوالِ استحصال

یہ ہاتھ جن میں رگیں اُبھر کے
خزاں کی آمد کی نامہ بر ہیں
رگیں، کبھی یُوں تپش زدہ تھیں
کہ جیسے سیّال آگ
بے آب مچھلیوں کی طرح ہو بے کل

یہ ہاتھ اُٹھے نہیں دُعا کو
یہ ہاتھ، دستِ طلب کی صُورت
کہیں سبک سر نہیں ہُوئے ہیں
یہ ہاتھ اپنی ہی آرزوؤں کے
قاتل و ناخُدا رہے ہیں

یہ ہاتھ کہ جن کی انگلیوں میں
مشقتوں کے عذاب نے
ہر گرہ کو چپٹا بنا دیا ہے
ہر ایک ناخن شکستہ ساحل کی شکل میں
بدنمائی کا آئینہ بنا ہے
یہ میرے اچھے دنوں کی تصویرِ ابتدا ہے

خداکی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان



جلد :— ۲ شمارہ :— ۳

۳ر—۱۰ر جون ۱۹۷۱ء

نگران

شوکت صدیقی — محمود شام

مدیر

ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی

ابراہیم جلیس — منہاج برنا

افضل صدیقی — ایم کے جنجوعہ

نائب مدیران

وہاب صدیقی۔ اشرف شاد۔ نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر :— غلام نبی بزمی

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے :—	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت —— ۶۰ فلس
دوبئی، قطر —— ۷۵ درہم
سعودی عرب —— ۱۵ قرش
انگلستان —— ۲ شلنگ، ۶ پنس

مقامِ اشاعت

دفتر ہفت روزہ الفتح ۸۷ ڈی نرسری کمرشل ایریا
پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس۔ کراچی — ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ — مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد، کراچی

اداریہ

عام آدمی کا خیال کیجئے

اسوقت پاکستان جس صورتِ حال سے گذر رہا ہے اس کی سنگینی کا احساس تو ہر شخص کو ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس سے جو اقتصادی عدم توازن پیدا ہُوا ہے، اُس کا سب سے زیادہ بوجھ عام آدمی پر پڑ رہا ہے۔ وہ عام آدمی جو مزدور ہے، محنت کش ہے، چھوٹا دکاندار ہے، کلرک ہے، چپراسی ہے، روزانہ کی اُجرت پر کام کرتا ہے۔ یہ صورتِ حال اگرچہ گذشتہ ۲۳ برس سے موجود ہے لیکن ایوبی آمریت کے زوال کے بعد سے یہ کچھ زیادہ ہی غیر یقینی ہو گئی ہے۔ موجودہ مارشل لاء حکومت چونکہ خود کو عارضی حکومت کہتی رہی ہے اور اس کا اعلان یہ رہا ہے کہ وہ عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنا چاہتی ہے اس لئے عام لوگ اس وقت کے انتظار میں مہنگائی اور اقتصادی عدم توازن کو برداشت کرتے رہے ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس عرصے میں ہر چیز کی قیمتیں آسمان کو پہنچیں۔ عام طبقہ جس کی آمدنی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اُسے ایک وقت کا کھانا بھی ٹھیک سے میسّر نہیں آتا، حالانکہ ملک کا انحصار اس کے دست و بازو پر ہے۔ بین الاقوامی طاقتوں کی سازشوں یا اپنے ملک کے سیاسی حالات نے ملک میں جو اقتصادی اضطراب پیدا کیا ہے اور پیداوار میں جو کمی آئی ہے اس کا اثر صرف اور صرف عام آدمی پر پڑا ہے۔ سرمایہ دار طبقے کی عیاشیوں اور عشرت بھری زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سرمایہ داروں نے کوئی قربانی نہیں دی ہے۔ ملک کی سلامتی اور بقا کے لئے بھی صرف غریب آدمی نے ہی قربانی دی ہے۔ سرمایہ داروں کے سب مفادات اسی طرح محفوظ ہیں۔ موجودہ حالات میں مشرقی پاکستان میں پیدا شدہ صورتحال کے بعد بجٹ میں جو تبدیلیاں آئیں گی ان میں نئے ٹیکسوں کا بوجھ بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ عام آدمی پر پڑے گا۔ کچھ ادارے اس صورتِ حال کا بہانہ بنا کر چھانٹیاں کر رہے ہیں، کچھ اپنے عملے کی تنخواہوں میں کمی کا جواز تلاش کریں گے۔ زیادہ تر کارخانے دار اپنی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کریں گے۔ روز مرہ ضرورت کی اشیاء کے دام بڑھیں گے تو اس کا شکار بھی عام آدمی ہوں گے۔

۲۴ سال سے عام آدمی کا سیاسی، اقتصادی اور سماجی ہر طرح سے استحصال کیا جا رہا ہے۔ اس استحصال نے ہی مشرقی پاکستان میں یہ گُل بھی کھلایا کہ رجعت پرست طاقتوں نے وہاں کے عام آدمیوں کو جذباتی طور پر گمراہ کرنے میں کسی حد تک کامیابی بھی حاصل کرلی۔

اب وقت آگیا ہے کہ اس خطرناک روش کو ختم کیا جائے۔ وطن کے لئے قربانیاں دینی ہیں تو سب دیں۔ سرمایہ دار کے پاس وسائل اور سرمایہ زیادہ ہے۔ اس لئے اُسے اسی نسبت سے قربانی دینی چاہیئے۔ احتسابی قوتوں کو اپنی اس روش میں تبدیلی پیدا کرنی ہو گی کہ اُن کے ہر اقدام سے سرمایہ داروں کو بالواسطہ طور پر استحصال کا ایک نیا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ عوام کب تک چکّی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پستے رہیں گے۔ وطن کے لئے ہمیشہ قربانیاں

باقی صفحہ ۲۱ پر

مزدوروں نے روزانہ ۱۲ گھنٹے کام کرنے کی پیش کش کر کے صنعتکاروں کو نیچا دکھا دیا

عوام نئے بجٹ کی دھمک سُن کر لرز رہے ہیں

افضل صدیقی

چوری کئے ہوئے ڈیڑھ ارب روپے کے ٹیکس

دولت مندوں سے وصول ہو جائیں تو ایک پیسے کا بھی

نیا ٹیکس لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی

اب عام لوگ آئین، جمہوریت اور اقتدار کی منتقلی کو داستانِ پارینہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ سب پیٹ بھروں کی باتیں ہیں۔ انہیں تو بس یہی ایک فکر گھلائے ڈال رہی ہے کہ بجٹ آرہا ہے اور بجٹ جب بھی آتا ہے ان کے لئے مزید پریشانیوں اور نئی الجھنوں کے سوا کچھ نہیں لاتا، اور اب کے تو بجٹ غیر معمولی حالات میں آرہا ہے اس لئے اُن کی پریشانیاں کچھ زیادہ ہی بڑھ جائیں گی۔ بہت سے لوگ جو بے روزگار ہیں، بے شمار ہنرمند کاریگر ہیں جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں ان سے کام لینے والا کوئی نہیں۔ لاتعداد مزدوروں کے لئے ملوں کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اَن گنت چھوٹے کاشت کار اپنی تھوڑی سی زمین کے مالکانہ حقوق سے محروم ہیں۔ انھیں جبراً ان کی زمینوں سے نکالا گیا ہے۔ بیس فیصد مالدار لوگوں کے ملک میں یہ اسی فیصد غریب لوگ بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ فریاد رسی کے لئے حکّام تک پہنچنے کی ہمت وہ کیا کریں گے۔ ان میں یہ مایوسی میرے جیسے لکھنے والوں کے مضامین سے نہیں پھیلی ہے۔ ان اخباروں سے بھی نہیں پھیلی ہے جو مظلوم عوام کے دُکھوں کو منظرِ عام پر لانے کے گناہ گار بنے ہیں، اور عوام دوستی کے جوش میں قانون شکنی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ یہ مایوسی تو اس نام نہاد اقتصادی، صنعتی اور زرعی ترقی کا نتیجہ ہے جو ۲۳ سال سے پنج سالہ منصوبوں، بجٹوں اور کاغذوں میں نظر آرہی ہے۔ کھیتوں، ملّوں اور کارخانوں میں نظر نہیں آتی۔ ہم نے پچھلے سال اتنا زرمبادلہ کمایا تھا۔ اس سال سے کہیں زیادہ کمائیں گے۔ پچھلے سال کے مقابلے میں اس سال تعلیم کی مد میں اتنے فیصد زیادہ رقم رکھی گئی ہے۔ فی کس آمدنی میں اتنے فیصد اضافہ ہو گیا ہے۔ معیارِ زندگی اتنے فُٹ اونچا ہو گیا ہے۔ یہ سارے اعداد و شمار، ترقی اور خوشحالی کی یہ باتیں کاغذوں پر سجی ہوئی بڑی پیاری، بڑی دلفریب لگتی ہیں مگر جب ایک غریب آدمی اپنی آمدنی اور خرچ کا حساب جوڑ کر بچت نکالنے بیٹھتا ہے تو بچت کے بجائے اُس کی جان نکل آتی ہے۔ سال بھر کا بجٹ تو وہ کیا بنائے گا ایک دن کا بجٹ بنانے اور زیرِ عمل کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ اب یہ عام آدمی نئے بجٹ کی دھمک سُن سُن کر لرز رہا ہے۔ اس نے سُنا ہے کہ ٹیکسیشن کمیشن نے حکومت کو جو عبوری رپورٹ پیش کی ہے اس میں نئے ٹیکسوں کی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ اس نے پڑھا ہے کہ بجٹ میں ایک ارب سے ڈیڑھ ارب روپے تک کا خسارہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ خسارہ پورا کرنے کے لئے اس پر بلاواسطہ اور بالواسطہ ٹیکس لگائے جائیں گے۔ اُسے مزید قربانیاں دینی ہوں گی۔ ملک کو اقتصادی بحران سے نکالنے کے لئے اسے حکومت کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ تعاون کرنا ہوگا۔ یعنی مہینے میں ایک آدھ بار اس کے بچوں کو دُودھ نصیب ہو جاتا ہے تو اسے یہ بھی ترک کر دینا پڑے گا۔ دن بھر اگر اسے ایک وقت پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا ہے تو اب اُسے ایک وقت آدھے پیٹ بھوکا رہنا ہوگا۔ اس کے بیمار بیوی بچوں کو اگر دوا کی ضرورت ہے تو اُسے صرف دُعا سے کام چلانا ہوگا۔ اُسے مسلسل کام کرنا ہوگا۔ مگر کام وہ کیا کرے؟ یہاں اگر اس کی سوچ اور وطن کی راہ میں قربانی دینے کا جذبہ جواب دے جاتا ہے۔ اُسے تو پہلے کام چاہیے جبھی وہ کرے گا۔ کام کون دے گا۔ اُس سے کام کون لے گا۔ اس سے کام لینے والوں کو تو قربانیاں دینی پڑیں گی اور قربانیاں دینا تو صرف غریب لوگوں کا شعار چلا آتا ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں خلوصِ نیت کے ساتھ کبھی افرادی طاقت کا نہ اندازہ لگایا گیا ہے اور نہ اس سے کام لینے کی تدابیر سرکاری سطح پر سوچی گئیں۔ کسی زمانے میں افرادی طاقت کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیشن قائم تو کیا گیا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کمیشن کی اپنی افرادی طاقت جواب دے گئی ۔اس کمیشن نے کیا کیا۔ کسی کو پتہ نہیں چل سکا۔ چھوٹے سے چھوٹے ملک میں بھی افرادی طاقت سے کام لینے کے لئے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ یہ طے کیا جاتا ہے کہ کس سال کس شعبے میں کتنے آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ اسی ضرورت کے مطابق اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا ہوگا، یہ سوچا جاتا ہے کہ کس سال کس شعبے پر زیادہ توجہ دی جائے گی۔ زراعت یا صنعت کے کس شعبے میں کتنے ماہر کاریگروں کی اور جدید بار کاشت کے طریقے جاننے والے کتنے افراد کی ضرورت ہوگی۔؟ ہمارے ہاں ایسا کوئی چلن ہی نہیں ہے۔ بے اندازہ افرادی طاقت بے کار ہے۔ اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ ہمارے ذخائر اور روزگار کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

چین کی بے پناہ افرادی قوت کا اندازہ کون لگاتا ہے۔ وہاں خاندانی منصوبہ بندی پر عمل نہیں ہوتا۔ اس لئے وہاں کی آبادی صدر نکسن کے تازہ ترین اندازے کے مطابق ۸۰ کروڑ ہو گئی ہے۔ یہ سب کے سب محنت کرتے ہیں۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے سب مل کر اپنے مسائل خود حل کرتے ہیں۔ اپنی روزی اپنی قوتِ بازو سے پیدا کرتے ہیں۔ کسی کے دستِ نگر نہیں، کسی سامراج سے بھیک نہیں لیتے۔ ہر پیداوار میں نہ صرف خود کفیل ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنی پیداوار برآمد کرتے ہیں۔ کسی شرط اور لالچ کے بغیر دنیا بھر کے مظلوموں کی امداد کرتے ہیں۔ اور یہ اسی کروڑ انسان اس ملک سے تعلق رکھتے ہیں جو پاکستان سے دو سال بعد آزادی کی نعمت سے مالا مال ہوا۔ آزادی کی قدر یوں کی جاتی ہے۔ سلامتی کا تحفظ اس طرح کیا جاتا ہے اور ترقی کرنے والی قومیں یوں ترقی کرتی ہیں۔ خالی خولی کاغذوں پر منصوبے نہیں بناتیں۔ محنت اور جدوجہد کرتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمارے ہاں افرادی طاقت کو بھوکا رکھ کر، وعدوں کا نشہ پلا کر۔ اس کی جدوجہد کے حوصلے کو سلا دیا جاتا ہے۔ اسی لئے بداخلاقی عام ہو رہی ہے۔ سماجی برائیاں جڑ پکڑ رہی ہیں اور جرائم روز کا معمول بن گئے ہیں۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں نوجوان یونیورسٹیوں سے ڈگریاں لیکر نکلتے ہیں اور روزگار کی جستجو میں دیوانوں کی طرح مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ جب وہ برسوں کی جاں کاہی کا نتیجہ تنہائی، لاتعلقی اور کسمپرسی دیکھیں گے تو ان میں کیا فرسٹریشن نہیں پھیلے گا؟ اس پورے سماجی ڈھانچے کے خلاف نفرت اور استحصالی نظامِ اقتصادیات کے خلاف بغاوت کا جذبہ نہیں اُبھرے گا؟

میں بات کر رہا تھا آنے والے بجٹ کی ٹیکسیشن کمیشن نے جو سفارشات پیش کی ہیں ان میں نئے ٹیکسوں کی تجاویز بھی شامل ہیں۔

باقی صفحہ ۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں

الفتح

پاکستان کے عوام کے خلاف

اِس منصوبے میں مغربی پاکستان کے سرمایہ دار بھی شامل ہیں

محمود شام

مشرقی پاکستان کے محبِّ وطن عوام کو پے در پے جن حالات سے گزرنا پڑا، ان کی داستان انتہائی المناک ہے۔ ہمیں کالعدم عوامی لیگ کے سیاسی اور طبقاتی کردار کے بارے میں کسی قسم کا مغالطہ نہیں تھا۔ میں نے فروری میں "عوامی لیگ کب تک؟" کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا تھا وہ وقت سے پہلے ہی درست ثابت ہوگیا۔ شیخ مجیب الرحمان نے انتہائی مؤثر انداز سے سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف مشرقی پاکستان کے عوام میں موجود نفرت کو مغربی پاکستان کے خلاف نفرت میں تبدیل کر دیا۔ اپنی انتخابی مہم کے دوران انھوں نے مشرقی پاکستان کے عوام کے استحصال کا ذمہ دار مغربی پاکستان کو ٹھہرا دیا تھا اور جو مغربی پاکستانی سرمایہ دار فی الواقع استحصال کے ذمہ دار تھے شیخ صاحب اُن سے نقد خراج وصول کرتے رہے۔ مشرقی پاکستان میں ایوب خان کی آمریت کے دوران جو اضطراب پیدا ہوا تھا اُسے دُور کرنے کی بجائے گزشتہ دو برس تک قانون اور نظم و نسق کی مشینریاں بالکل خاموش رہیں۔ وطن دُشمن اور عوام دُشمن طاقتیں، پاکستان کی دشمن طاقتوں اور سامراجی طاقتوں سے سازباز کرتی رہیں۔ میں نے بیورو کریسی کے کردار پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی تھی کہ وہ مرکزی حکومت کی بجائے شیخ مجیب کی وفاداری کا دم بھرتی تھی۔ اکثر نہایت اہم فائلیں متعلقہ اعلیٰ افسر کی بجائے پہلے شیخ صاحب کے پاس پہنچتی تھیں۔ موجودہ بحران میں مشرقی پاکستان میں بیورو کریسی کے کردار نے ہمارے اُن نکات کی تصدیق کر دی ہے۔ صرف ایک دو اضلاع میں بیورو کریسی صحیح سالم ملی ہے۔ کچھ بھارت بھاگ گئے، کچھ بنگلہ دیش سرکار کے حکم نامے جاری کرتے رہے۔ کچھ اپنے علاقے کے عوام سے زبردستی نئے نئے ٹیکس وصول کرتے رہے۔ اس سازش میں شریک نہ ہونے والوں کو کئی بیورو کریٹوں کے حکم سے طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ شیخ صاحب نے بھارت اور سامراجی طاقتوں کے زیرِ اثر مشرقی پاکستان کے عوام میں نسلی برتری کا زہر پھیلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ لوگ اپنے حقوق کے لئے سرمایہ داروں کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی بجائے ان بے گناہ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگنے لگے جو انہی کے پسے ہُوئے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہی کے ساتھ چٹا گانگ جیوٹ مل، کھلنا نیوز پرنٹ، کرنافلی پیپر ملز، چندر گھونا، آدم جی جیوٹ ملز میں اپنی محنت کو فروخت کرتے تھے۔ نسل پرست بنگالی سرمایہ داروں نے اسے بنگالی مزدور اور غیر بنگالی مزدور کا مسئلہ بنا دیا۔ گذشتہ دو اڑھائی برس سے جو سازشیں اور کوششیں زیرِ زمین پروان چڑھ رہی تھیں، مارچ میں انھیں سطح پر آنے کا موقع مل گیا اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عوامی حقوق کی بحالی کے لئے چلنے والی تحریک کو عوام دُشمن سازش میں ڈھالنے کی آخری کڑی پر بھی عمل درآمد ہونے لگا۔ اسمبلی کے اجلاس میں التواء کا بہانہ ملتے ہی ان عوام دُشمن نسل پرست اور فسطائی طاقتوں نے اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ یہ فسطائی طاقتیں اس منصوبے میں مکمل طور پر تو کامیاب نہ ہو سکیں لیکن ایک طویل عرصے کے لئے عوام کو اُن کے حقوق سے اور دُور کر دیا۔

اس سازش کے ڈانڈے بین الاقوامی طور پر ایک بہت بڑی سازش سے ملتے ہیں۔ ہم نے اس کا ذکر بھی کئی بار الفتح میں کیا تھا۔ مشرقی پاکستان کی حد تک جہاں ایک طویل عوامی تحریک کو عوام دُشمن سازش میں بدلا، وہاں اس عوام دُشمن سازش کا انتہائی مقصود مشرقی پاکستان کے خطّے کو چین کے خلاف استعمال ہونے کے لئے ایک مضبوط فوجی اڈہ بنانا تھا۔ اس سلسلے میں بڑی طاقتوں امریکہ اور روس کے نشریاتی اداروں کا رویہ، اخبارات کے تبصرے، سیاستدانوں کا ردِّ عمل، ایک واضح ثبوت ہے۔ اگر یہ سازش کہیں کامیاب ہو جاتی تو اس کا کیا انجام ہوتا؟ اس کا جواب کتنا خوف ناک ہے۔ اس خوفناک امکان کو دُور کرنے کے لئے ہی پاکستان کی مسلّح افواج حرکت میں آئیں۔ فوجی کارروائی کے بعد اب عوام کی کیفیت یہ ہے کہ وہ چاروں طرف ایک خلاء محسوس کرتے ہیں۔ ان کے حقوق بحال کروانے کے دعویدار بھارت کے حاشیہ بردار نکلے۔ اقتصادی طور پر وہ مفلوج ہو گئے ہیں۔ انھیں اپنے سامنے پھر ایک طویل اور کٹھن راہ نظر آ رہی ہے، جسے انھوں نے بہرحال طے کرنا ہے۔ اس وقت مشرقی پاکستان میں رجعت پسند طاقتیں اس تحریک کا رُخ پھر بدلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اصل مسائل سے توجہ ہٹا کر پھر یہ سازش کی جا رہی ہے کہ وہ مسائل بغیر حل ہُوئے اسی طرح موجود رہیں تاکہ عوام میں اضطراب اور بے چینی بنیادی طور پر موجود رہے۔ ان تمام مسائل کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد محبِّ وطن طاقتوں کو ان کے مسائل کا مستقل حل ڈھونڈنے کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے۔ فوجی حل مستقل حل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن ایسے حالات بھی پیدا نہیں ہونے دینے چاہئیں جن میں فوجی مداخلت ناگزیر ہو جاتی ہے، کیونکہ فوجی کارروائی تو بہرحال فوجی کارروائی ہوتی ہے۔ اس سے ملک کی معیشت بھی متاثر ہوتی ہے۔ اور سیاسی حل بھی دور چلا جاتا ہے۔ فوج کو سیاست سے سروکار نہیں ہوتا۔ وہ تو ملک کی سلامتی اور امنِ عامہ کے تحفظ کے لئے کاری ضرب لگاتی ہیں، اور بڑی سے بڑی قربانی بھی دیتی ہیں۔

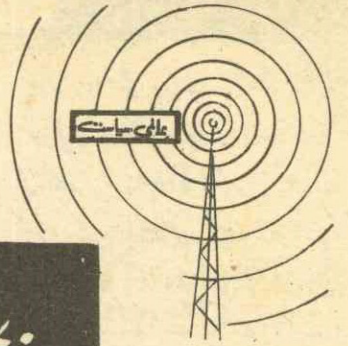
اپنے تقریباً ایک ماہ کے قیام کے دوران میں نے مشرقی پاکستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ حالات اور اُن کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ عینی شاہدوں سے واقعات سُنے فوجی کارروائی کے ذمہ دار افسروں سے بھی بات ہُوئی۔ دانشوروں سے بھی گفتگو ہُوئی۔ عام شہریوں کے تاثرات جانے۔ ہل چلاتے کسانوں کی آنکھوں میں جھانکا۔ مشینوں کو گھماتے محنت کشوں کے جذبات بھی دیکھے۔ سر جھکائے بائیسکل رکشا چلانے اور انسانوں کو انسانوں کا بوجھ اُٹھاتے دیکھا۔ یہ سب تذکرے آپ کے سننے کے ہیں۔ سلسلہ وار اور بتدریج۔

میں نے یہاں کالعدم عوامی لیگ کے ترجمان "دی پیپل" کی فائل بھی دیکھی۔ یکم مارچ سے ۲۵ مارچ تک کے شماروں میں چھپے ہُوئے الفاظ میں ان دنوں میں اس عوام دُشمن تحریک کی پسِ پردہ سازشیں کروٹیں لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

- عوامی حقوق کی بحالی کی اس کو عوام دُشمن سازش کیسے بنایا گیا؟
- اس میں مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں کی شرکت کے دستاویزی ثبوت۔
- کس نے کیا کردار ادا کیا؟
- پاکستان کی مشہور انشورنس کمپنیوں، بنکوں اور صنعتی اداروں نے اس پاکستان کو تباہ کرنے والی عوام دشمن سازش میں کتنے سرمائے کے ساتھ حصّہ لیا؟
- امریکہ اور بھارت نے اس سلسلے میں کیا کردار ادا کیا؟
- "آزاد بنگلہ دیش" کا نعرہ سب سے پہلے کس نے لگایا؟
- شیخ صاحب پر کس سیاستدان نے زور دیا تھا کہ وہ ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کر دیں؟
- عوام دشمن سازش۔ درجہ بدرجہ۔ لمحہ بہ لمحہ اس میں کتنے پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں اور کتنے چہروں سے نقاب بھی اُٹھتا ہے۔

سب کچھ اخبار "دی پیپل" کی فائل سے ملاحظہ کیجئے۔ ایسے حالات و واقعات جن کی تردید سیاستدانوں اور سرمایہ داروں نے نہ پہلے کی اور نہ اب کر سکیں گے اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ تحریک دراصل عوام کے حقوق کو غصب کرنے کی تحریک تھی جس میں کیا مشرقی پاکستان کے، کیا مغربی پاکستان کے، کیا ہندو کیا مسلمان سب سرمایہ دار شریک تھے۔

(انکشافات کا یہ سلسلہ آئندہ ہفتے سے ملاحظہ کیجئے۔)



۱۹۷۰ء میں امریکہ کو نو ارب نوّے کروڑ ڈالر کا خسارہ ہوا

مغربی یورپ کی

معیشت کی چابی امریکہ کے پاس ہے

دنیا ایک بار پھر مالی بحران **سرمایہ پرست** کے تیز و تند طوفان میں پھنسی ہوئی ہچکولے کھا رہی ہے۔

۳ مئی سے مغربی یورپ کی مالیاتی مارکیٹوں میں جرمن مارک اور سونے کی خریداری کے رجحان میں زبردست اضافہ ہوگیا ہے۔ مغربی یورپ کے بیشتر چھوٹے بڑے ممالک ڈالر فروخت کرکے مارک، فرانک اور دوسری پائیدار کرنسیاں خرید رہے ہیں۔ لندن گولڈ مارکیٹ میں ایک اونس سونے کی قیمت ۴۰.۱۵ ڈالر تک چڑھ گئی ہے جب کہ سرکاری نرخ ۳۵ ڈالر مقرر ہے۔ پیرس میں اس کی قیمت ۴۰.۴۹ تک پہنچ گئی ہے۔

۴ اور ۵ مئی کے دوران مغربی جرمنی میں ڈالر ہولڈروں نے تقریباً ۲ ارب ڈالر فروخت کردیئے۔ ۵ مئی کو سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورچ میں نوے منٹ میں ۶ کروڑ ڈالر فروخت کئے گئے۔ ۶ مئی کو ٹوکیو کے غیر ملکی تبادلے کی مارکیٹ میں ڈالر فروخت کرنے کے رجحان میں ایک زبردست طوفان آگیا تھا۔ اس دن تقریباً ۳۵ کروڑ ڈالر فروخت کر دیئے گئے۔ جاپان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا جب ڈالر اتنی بڑی تعداد میں فروخت کیا گیا۔ مغربی دنیا میں ڈالر کی ساکھ یکایک گرنے اور اس کی جگہ سونا اور دوسری کرنسیوں کی خرید کے رجحان میں غیر معمولی اضافہ کے سبب مغربی جرمنی، سوئٹزرلینڈ، نیدرلینڈ، بلجیم، آسٹریا، یونان، پرتگال، اسپین اور فن لینڈ نے غیر ملکی کرنسیوں کا لین دین عارضی طور پر بند کر دیا۔ جاپان میں بھی غیر ملکی کرنسیوں کا لین دین کرنے والے بینکوں نے امریکی ڈالر اور مغربی یورپ کی دوسری کرنسیوں کا لین دین بند کر دیا ہے۔ مغربی جرمنی اور سوئٹزرلینڈ اور دوسرے ملکوں نے جب سے ڈالروں کا لین دین بند کیا ہے لندن اور پیرس میں سونے کی مارکیٹوں میں سونا خریدنے کا رجحان جنون کی حد تک بڑھ گیا ہے۔ اس صورتحال سے یورپ کی مارکیٹوں میں شکر، کافی، ناریل، دھات اور ربڑ کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں۔

مغربی یورپ کے ملکوں میں ڈالروں کی ساکھ گرنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ امریکی سامراج نے مغربی جرمنی اور دوسرے یورپی ملکوں کی معیشت پر قبضہ جمائے رکھنے کے لئے ڈالروں کی ریل پیل کر دی ہے۔ اس کے علاوہ جارحیت پسندی، توسیع پسندی کے منصوبے اور جنگ کے دائرے کو وسعت دینے کی وجہ سے اس کے غیر ملکی اخراجات میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ہند چینی میں اپنے بھرم کو قائم رکھنے پہ ہر سال کروڑوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ امریکہ جس تناسب سے اپنے اخراجات بڑھاتا جا رہا ہے اس کے مقابلے میں اس کی سالانہ آمدنی روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ ۱۹۷۰ء میں امریکی سامراج کو نو ارب، نوے کروڑ ڈالر کا خسارہ برداشت کرنا پڑا تھا۔ صدر نکسن نے اس خطرناک صورتِ حال کا مقابلہ کرنے اور سامراجی معیشت کو از سرِ نو بحال کرنے کے لئے ایک توسیع پسندانہ معاشی



پالیسی کا اعلان کیا جس کے مطابق سود کی شرح کو گھٹانے اور قرضوں کی شرائط میں نرمی برتنے کا وعدہ کیا گیا۔ لیکن اس اعلان کے باوجود سامراجی معیشت پائیداری حاصل نہ کر سکی۔ مغربی یورپ کے ملکوں کے مقابلے میں امریکہ میں سود کی شرح سب سے کم ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپی ملکوں میں جمع کارپڑے ہوئے امریکی ڈالروں کی قیمت گر گئی اور امریکہ کی بین الاقوامی ادائیگی کی پوزیشن بدتر ہو گئی۔

مغربی یورپ کے ملکوں کا مالیاتی بحران امریکی سامراج کا پیدا کردہ ہے۔ اس سے قبل امریکہ کی اس جانب بارہا توجہ دلائی گئی اور مغربی ملکوں میں ڈالر کے بہاؤ کو روکنے کے لئے موثر کارروائی کا مطالبہ کیا گیا مگر سامراج کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ فرانس اور یورپی مشترکہ منڈی کے چھ ممبر ملکوں کی طرف سے امریکہ پر بار بار دباؤ ڈالا گیا کہ وہ یورپ میں ڈالر کی فراوانی کی روک تھام کے لئے عملی اور موثر اقدامات کرے یا پھر ڈالر کی موجودہ شرح میں کمی کا اعلان کیا جائے۔ مگر امریکی سامراج نے اپنے مفادات کے پیشِ نظر اس مطالبے کو نظر انداز کر کے بالآخر مغربی یورپ کو شدید مالیاتی بحران میں پھنسا دیا۔ فرانس کے وزیر اقتصادی امور اور مالیات نے اپریل میں مشترکہ منڈی کے نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے اس بحران کی نشاندہی کر دی تھی۔ اور مشترکہ منڈی کے ملکوں پہ زور دیا تھا کہ وہ امریکی ڈالر کی روک تھام کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ انہوں نے کہا تھا ڈالر کی شرح گرتی جا رہی ہے اور اس کا ایک ہی حل ہے کہ سونے کی قیمت میں اضافہ کر دیا جائے۔ فرانس کے ایک اخبار "لی مونڈے" نے اپنے اداریتی نوٹ میں لکھا تھا کہ "اس بحران سے نمٹنے کے لئے یورپی ملکوں کو اپنے سکّے میں کمی کا اعلان نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس بار امریکہ کو چاہیئے کہ وہ ڈالر کی قیمت کم کر دے۔"

یورپ کے اس نئے مالیاتی بحران کی وجہ سے نکسن ٹولہ بوکھلا گیا ہے۔ امریکی خزانے کے وزیر جان کونالی نے اس مسئلے پر صدر نکسن سے تبادلہ خیالات کرنے کے لئے ۴۸ گھنٹے میں دو بار ملاقات کی۔ امریکی وزیر خزانہ اور نکسن کی بات چیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکی سامراج نے انتہائی ڈھٹائی اور بے رُخی سے موجودہ صورت حال میں کوئی تبدیلی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ دوسرے دن وزیر خزانہ نے نکسن کی مرضی سے وائٹ ہاؤس میں ایک ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا "امریکہ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے اپنی معیشت کو ہرگز قربان نہیں کرے گا۔"

موجودہ مالیاتی بحران کا مقابلہ کرنے کے لئے مغربی جرمنی نے چند اقدامات کئے ہیں۔ اس کے باوجود ڈالر کی فروخت میں کمی کا رجحان پیدا نہیں ہوا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ مغربی یورپ کی معیشت کی چابی جب تک امریکہ کے ہاتھوں میں رہے گی۔ اس وقت تک یورپ شدید قسم کے مالیاتی اور اقتصادی بحران میں مبتلا رہے گا۔



شاہ حسین کے دادا عبداللہ نے اپنے ڈرائیور کے گھر میں گولڈا میئر سے ملاقات کی تھی



محمد میاں

۱۹۰۱ء میں جب عثمانی حکومت روس سے طویل جنگ کے باعث انتہائی کمزور ہو چکی تھی اور اس کی اقتصادی حالت دگرگوں تھی صہیونی تحریک کا بانی آسٹریا کا ایک یہودی صحافی تھیوڈور ہرزل سلطان عبدالحمید کے پاس یہ پیش کش لے کر آیا کہ اگر سلطان فلسطین میں یہودیوں کو کثیر تعداد میں آکر آباد ہونے دے تو صہیونیوں کی طرف سے اسے مالی معاوضہ مل سکتا ہے۔ سلطان عبدالحمید کا اس پیش کش پر جواب اب تاریخ کے صفحات پر پہنچ گیا ہے۔ سلطان نے مغربی اقوام کی جنگی تیاریوں اور اپنی مملکت کی خستہ حالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہرزل کو جواب دیا "ہم فلسطین سے رخصت ہونے والے ہیں۔ کچھ انتظار کرو فلسطین تم کو مفت میں مل جائے گا۔ میں تاریخ کے سامنے فلسطین فروش بن کر نہیں جانا چاہتا"۔

انگریزی استعمار اس زمانہ میں ہند میں اپنی سلطنت مستحکم کر کے مشرق اوسط کی طرف نگاہیں لگائے ہوئے تھا۔ مصر پہلے ہی اس کے زیر نگیں تھا۔ انگریزوں نے ہند میں ایک بڑا استعماری سبق سیکھا تھا۔ بقول مائیکل ایڈورڈز کے "برطانیہ نے ہندوستان مقامی سپاہیوں کے ذریعہ فتح کیا تھا"۔ یہی اصول انھوں نے عربوں کے خلاف استعمال کیا۔ خود خانہ کعبہ کا محافظ شریف مکہ حسین اپنے ولی نعمت سے غداری کر کے انگریزوں سے جا ملا تھا۔ اردن کا موجودہ والی حسین اس کا پرپوتا ہے۔ کرنل لارنس جو فلسطین شام اور حجاز میں برطانیہ کے فوجی جاسوسی شعبہ سے متعلق تھا۔ اس سلسلہ میں اردن کے ملک حسین کے دادا عبداللہ کی وساطت سے شریف حسین سے جا کر ملا تھا۔ وہ اپنی مشہور کتاب "حکمت کے سات ستون" میں اس ملاقات کے دوران برطانیہ اور شریف حسین کے درمیان جو عہد ہوئے تھے ان کے بارے میں رقم طراز ہے "شریف نے اپنی بغاوت کو مذہبی رنگ دینے سے انکار کیا تھا۔ وہ قومیت کے مذہب کے تحت لڑ رہا تھا۔ قبائل کو معلوم تھا کہ ترک مسلمان ہیں اور وہ شاید یہ بھی سمجھتے تھے کہ حرمین اسلام کے سچے دوست تھے۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اہل برطانیہ عیسائی ہیں۔ مگر اہل برطانیہ ان کے حلیف نہیں۔ ان حالات میں مذہب ان لوگوں کے لئے کوئی بڑا حامی نہیں تھا۔ اسی لئے انھوں نے اس کو علیحدہ رکھ دیا تھا"۔ عیسائی عیسائی سے لڑتا ہے تو مسلمان بھی ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہماری حکومت ہو جائے جو ہماری زبان بولتی ہو اور ہم کو چین سے رہنے دے۔ اور ہاں ہم ترکوں سے نفرت کرتے ہیں"۔

"ہم فلسطین سے رخصت ہونے والے ہیں، کچھ انتظار کرو فلسطین تم کو مُفت مِل جائے گا۔ میں تاریخ کے سامنے فلسطین فروش بن کر نہیں جانا چاہتا"۔ سلطان عبدالحمید

شریف حسین اور اس کی اولاد کی ہوس اقتدار میر جعفر اور اس کے جانشینوں کی طرح حد جنون تک پہنچ چکی تھی۔ لارنس سے موجودہ والی اردن کے دادا اور کٹھ پتلی مملکة الاردنية الهاشمية کے پہلے والی عبداللہ نے مطالبہ کیا کہ انگریزوں کو بلا پس و پیش "ایک برٹش بریگیڈ جس کے ساتھ ممکن ہو تو مسلمان سپاہی بھی ہوں سویز میں تیار رکھنا چاہیئے۔ اور جیسے ہی ترک مدینہ سے باہر حملہ کے لئے آئیں اس کو تیزی کے ساتھ رابغ پہنچا دینا چاہیئے"۔

اسی گفتگو کے بارے میں لارنس آگے چل کر کہتا ہے کہ "عبداللہ مجھ سے مسلسل اصرار کرتا رہا کہ برطانوی افواج کو آل شریف کے حمایتی بدوؤں کی مدد کے لئے انگریزی فوجیں رابغ پہنچانی چاہیئں جس کے جواب میں "میں نے کہا کہ میں اس کی رائے مصر تک (جہاں برطانوی فوج کا مستقر تھا) پہنچا دوں گا لیکن اہل برطانیہ مصر کے اہم دفاع سے لشکر نہیں ہٹا سکتے ہیں۔ اور مزید یہ کہ وہ عیسائیوں کو مدینہ منورہ کے لوگوں کی حمایت میں نہیں بھیج سکتے۔ کیونکہ ہندوستان میں بعض مسلمان ترکی حکومت کو حرمین کا محافظ سمجھتے ہیں"۔

فلسطین پر ایلنبی کی سرکردگی میں سمندر کی طرف برطانوی حملے کی تیاریاں ۱۹۱۷ء میں مکمل ہو چکی تھیں۔ برطانیہ نے شریف حسین اور اس کی اولاد کو یہ جھانسہ دیا کہ ہم شام عراق اور جزیرۃ العرب میں تمہاری خاندانی بادشاہت قائم کرا دیں گے۔ اور اس سلسلے میں ان کو عرب قبائل کو اکسانے اور بغاوت پر آمادہ کیا۔ شریف حسین کے ایک اور بیٹے فیصل اور عبداللہ نے لارنس سے مل کر ترک فوجوں پر فلسطین اور حجاز میں حملے کرنے شروع کر دیئے۔ نتیجتاً انگریزی اور فرانسیسی فوجیں فلسطین پر قابض ہو گئیں۔ ارض فلسطین پر انگریزوں کا قبضہ صہیونی اسرائیل کے قیام کا پیش خیمہ تھا

۱۸۹۶ء میں تھیوڈور ہرزل نے اپنی کتاب "صہیونی ریاست" شائع کی تھی۔ اور ۱۸۹۷ء میں صہیونی تحریک سوئٹزرلینڈ کے شہر بال میں قائم ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب مغربی ممالک کے روایتی نظام میں دراڑیں پڑ رہی تھیں اور یہودی مغربی ممالک کے مالیاتی نظام پر چھا گئے تھے اور وہ عالمی قوت بنتے جا رہے تھے انھوں نے اپنے رسوخ اور دولت کے بل پر مغربی طاقتوں کے ذریعہ اسرائیل کا قیام کرایا ہے۔ چنانچہ یہودی بینکر روتھ شائلڈ کو برطانیہ کے وزیر خارجہ بالفور نے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو ایک خط کے ذریعہ یہ باور کرایا:

ڈیر لارڈ روتھ شائلڈ
ملکہ عالیہ کی حکومت کی طرف سے مجھے آپ کو یہ بتانے میں از حد خوشی محسوس ہے کہ برطانوی کابینہ صہیونی عزائم کی حمایت کرتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے۔ "ملکہ عالیہ کی حکومت

الفتح

فلسطین میں یہودیوں کا وطن قائم کرنے کی حمایت کرتی ہے۔ وہ اپنے وسائل سے اس کے قیام میں مدد دے گی لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ فلسطین کے موجودہ غیر یہودی باشندوں کی زندگی اور مذہب کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اور نہ ہی دوسرے ملکوں میں بسنے والے یہودیوں کے سیاسی مرتبہ میں کوئی فرق آئے گا۔

میں ممنون ہوں گا اگر آپ اس اعلان سے صیہونی وفاق کے ارکان کو مطلع کر دیں۔

آپ کا مخلص

آرتھر بالفور

فلسطین اور شام پر برطانوی قبضہ کے بعد ۱۹۱۸ء میں بالفور نے برطانوی موقف کی مزید تشریح کی تھی۔ "فلسطین میں تو ہم وہاں کے

"ایک برٹش بریگیڈ سویز میں تیار رکھنا چاہیئے جس میں اگر ممکن ہو تو مسلمان سپاہی بھی ہوں"

برطانوی حکومت کو شاہ عبداللہ کا مشورہ

موجودہ باشندوں کی خواہشات جاننا بھی نہیں چاہتے۔ حالانکہ امریکی وفد یہ جاننے کی رسمی کوششیں کر رہا ہے۔ چار بڑی طاقتیں برطانیہ، فرانس، اٹلی اور امریکہ صیہونیت کی طرف ہیں۔ چاہے وہ حق ہو یا ناحق۔ اچھا ہو یا بُرا ہو۔ اس کی جڑیں عرصۂ دراز کی روایات میں پیوست ہیں۔ اور اپنے اثرات کے اعتبار سے بڑی گہری ہیں۔ ان کے مقابلے میں ان ۷ لاکھ عربوں کی خواہشیں اور تعصبات ہیں جو اب اس قدیم سرزمین میں بستے ہیں۔"

۱۹۱۷ء میں فلسطین میں ۵۶,۰۰۰ سے زیادہ یہودی نہیں بستے تھے۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۴۸ء تک برطانیہ کے تیس سالہ دور میں یہودیوں کی تعداد فلسطین کی آبادی کا ایک تہائی ہو گئی تھی مگر ان کے پاس فلسطین کی اراضی چھٹے حصے سے بھی کم تھی لیکن یہودی فلسطین کی انتظامی اور اقتصادی زندگی پر چھائے ہوئے تھے اور انگریزوں نے بڑی سختی سے فلسطین کے مقامی باشندوں پر سیاسی پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ نہ صرف یہ بلکہ انگریز حکومت اور عالمی صیہونیوں کی مدد سے یہودیوں کی فلسطین میں ۱۹۴۸ء تک باقاعدہ عسکری تنظیم موجود تھی۔ یورپ اور امریکہ سے پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے کہنہ مشق یہودی جو فوجی قائد اس صیہونی فوج کی بڑی تعداد میں قیادت کر رہے تھے جس نے کٹھ پتلی عرب حکمرانوں کی ناتجربہ کار اور غداروں کے زیر اثر فوج کو شکست دے کر پورے فلسطین پر سوائے چند علاقوں کے قبضہ کر لیا۔ اور ۱۵ لاکھ مقامی باشندوں کو منظم طور پر فلسطین سے نکال کر اردگرد کے عرب ملکوں میں منتشر کر دیا۔ اس منظم منصوبہ پر گلب پاشا نے اپنی سرگرمیوں کی سرگذشت میں تاریخی حقائق شائع کئے ہیں۔ اس طرح ۱۹۴۸ء میں برطانوی فوجوں کے انخلاء کے بعد اسرائیل کا قیام وجود میں آیا۔ جس کی امریکہ۔ روس اور برطانیہ نے اقوام متحدہ میں حمایت کی تھی۔

قیام اسرائیل کی پوری تاریخ صیہونی سازشوں مغربی استعمار کی خرمستیوں اور رجعی عربوں کی غداری کی داستان ہے جس کا آخری باب اردن کی سلطنت کا قیام تھا اور جس میں بیت المقدس اور دریائے اردن کے مغربی ساحل کو زبردستی شامل کیا گیا تھا۔ کرسٹوفر سائیکز اسی زمانہ میں عبداللہ اور گولڈا مئیر (موجودہ اسرائیل وزیر اعظم) کی ۱۹۴۸ء کے دوران ملاقات کے بارے میں لکھتا ہے: "عبداللہ نے خفیہ طور پر جیوش ایجنسی سے اتصالات کئے۔ اور مسز مائرسن کو بلایا۔ جو دوبارہ بھیس بدل کر ایک دوست عذرا دانین کے ساتھ آئی۔ بادشاہ نے ان سے اپنے شوفر کے گھر میں ملاقات کی تھی۔" اور نتیجہ بھی سن لیجئے جب فلسطینیوں پر ان کے ہزار ہا سال قدیم وطن میں یورپی کنٹروں میں بھاگے ہوئے یہودی سود خواروں نے جہنم برپا کر رکھی تھی۔ تو عبداللہ کے لئے یہ زمانہ خاندانی حکومت کے قیام کے لئے سازگار تھا۔ کرسٹوفر سائیکز کی شہادت سن لیجئے "یکم اکتوبر کو عبداللہ نے اپنے پٹھو پانچ ہزار شرفاء کو جمع کیا اور ان سے اپنے آپ کو فلسطین کا حکمران تسلیم کروا لیا۔"

اندھیرے

منصور مروت

چھوڑ کر ہیں نے امارت کے ضیاء خانوں کو
آج افلاس کے پُرسوز "اندھیرے" دیکھے
ظلم سہنے کے لئے ایک تڑپتی ہُوئی مخلوق جہاں رہتی ہے
ہم سے کہتی ہے
اِدھر آؤ! شرافت کے علم بردارو!!
ننگ وافلاس سے مجبُور یہ زندہ لاشے
جن کا کچھ جرم نہیں
ایک غربت کے سِوا
تم تو تہذیب کے نشے میں مگن ہو لیکن
ان پہ بھی ایک نظر

تم نے بخشا ہے جنھیں شوق سے رہزن کا خطاب
ماہِ تہذیب کے ماتھے کا جسے
داغ سمجھا تم نے
گو یہ قانون کے ملزم ٹھہرے
اور انصاف کی نظروں میں بھی مجرم ٹھہرے
اُن کے زخموں کا مداوا بھی کبھی سوچا ہے
کیا مسیحاؤں کو اس کا بھی خیال آیا ہے
کہ وہ بیمار
جو مرنے کے لئے جیتے ہیں۔
زہر پیتے ہیں
امیدوں کا تمناؤں کا
جاگتے رہتے ہیں حسرت میں دوا کی۔
—— اور پھر
موت کی آغوش میں سو جاتے ہیں
اور ——
تہذیب وتمدّن کے سیاہ خانوں میں
ٹمٹماتے ہُوتے عصمت کے چراغوں کی لویں
اُن فسانوں کا پتہ دیتی ہیں
جن کو
اپنے چہرے کے خد وخال چھپانے کے لئے
آندھیاں زر کی بجھا دیتی ہیں۔





کراچی - ۲۵ مئی - ایک ٹیکسی ڈرائیور علی احمد کو نامعلوم قاتل نے رات کی تاریکی میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس کی لاش گزری کے ایک سنسان علاقے پی این ایس کے وائرلیس ریسیونگ سنٹر کے قریب پھینک دی - علی احمد کی ٹیکسی کا نمبر ۱۴۲۳ ہے - اس کی شادی ۵ سال قبل ہوئی تھی - اس کے ۵ بچے ہیں - سب سے چھوٹے بچے کی عمر ۲ ماہ ہے - پولیس قاتلوں کا سراغ لگانے میں مصروف ہے

ٹیکسی ڈرائیور علی احمد کا قاتل کہاں گم ہو گیا؟

نعیم آروی

واردات کی رات کو ٹیکسی ڈرائیور علی احمد حسبِ معمول نو بجے اپنے گھر پہنچا۔ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو پیار کیا اور اپنی دن بھر کی کمائی چالیس روپے نکال کر اپنی بیوی کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ بیوی کا چہرہ روشنی سے جگمگا اُٹھا۔

علی احمد کھانا کھانے کے بعد دوبارہ اپنی ٹیکسی لے کر گھر سے روانہ ہو گیا۔ اس کی بیوی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ۱۲ بجے رات تک واپس لوٹ آنے کا وعدہ کر کے اس کا جانے والا شوہر پھر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ وقت کے اذیت ناک لمحات اس ہنستے بستے کنبے کو ڈسنے کے انتظار میں منہ کھولے بیٹھے تھے۔ علی احمد کی زندگی کی ہر سانس، موت کی تاریکی کی جانب چپ چاپ رینگ رہی تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں مگن خاموشی سے ٹیکسی پر بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے چل دیا۔ کہاں؟ اُسے خود معلوم نہ تھا۔

وہ ہر رات اپنے گھر واپس لوٹ آتا تھا مگر اس رات وہ واپس نہ آیا۔ اُس کے بچے اس کا انتظار کرتے رہے، ایک مشرقی عورت رات بھر جاگ کر اپنے سہاگ کی راہ دیکھتی رہی۔ عمر رسیدہ نابینا باپ اپنے بیٹے کے قدموں کی چاپ کا منتظر رہا مگر گھر سے وعدہ کر کے جانے والا ٹیکسی ڈرائیور علی احمد واپس لوٹ کر نہ آیا۔ وہ اپنے وعدے سے پھر گیا تھا۔ اُس نے اپنی بیوی اور بچوں کو بھلا دیا تھا۔ اُس نے اپنے اندھے باپ اور ماں کو زندگی کے لق و دق صحرا میں تنہا بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ وہ ایسی جگہ چلا گیا تھا جہاں سے لوٹ کر کوئی واپس نہیں آتا۔

صبح تک جب علی احمد واپس نہ آیا تو گھر والوں کو فکر لاحق ہو گئی۔ شہر کے مختلف تھانوں میں رپٹ درج کرائی گئی۔ رشتہ داروں اور میل جول رکھنے والوں کے ہاں آدمی دوڑائے گئے مگر گمشدہ علی احمد کا سراغ کہیں نہ ملا۔ وہ اپنی گاڑی میں نامعلوم منزل کی طرف چلا گیا تھا۔ دوپہر کو اطلاع ملی کہ گزری کے علاقے میں ایک نوجوان شخص کی لاش بے گور و کفن پڑی ہے۔ پریشان حال خاندان کے افراد دوڑے دوڑے اس جگہ پہنچے۔ پی۔ این۔ ایس وائرلیس ریسیونگ سنٹر کی مشرقی دیوار کے قریب لاش پڑی تھی۔ یہ ٹیکسی ڈرائیور علی احمد کی لاش تھی۔ کسی ظالم شخص نے اس کے گلے میں پھندا ڈال کر موت کے مُنہ میں دھکیل دیا تھا۔ اُس کی موت کی خبر سُن کر گھر میں کہرام مچ گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے اپنے بابا کے لئے بلکنے لگے۔ بیوی نے اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دیں اور نابینا باپ اور اندھی ماں نے اپنے جواں بیٹے کے مردہ جسم کو اپنے سینے سے لگا کر کہا "بیٹے تو ہمیں تنہا چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔"

علی احمد ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ اس کی ٹیکسی کا نمبر ۱۴۹۳ بتایا گیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل اُس نے اقساط

بے رحم قاتلوں کا کام

انسانی زندگی سے

کھیلنا رہ گیا ہے

میں ٹیکسی خریدی تھی۔ وہ صبح سے لے کر رات کے بارہ بجے تک ٹیکسی چلا کر اپنے بھرے پُرے گھر کی کفالت کرتا تھا۔ ساتھ ہی ٹیکسی کی قیمت بھی ادا کر رہا تھا۔ واردات کی رات جب وہ اپنے گھر سے



احمد علی کی لاش اپنے خون کا قصاص مانگ رہی ہے

نکلا تو کسی شقی القلب اور بے رحم شخص نے اُس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اُس کی لاش ایک گمنام جگہ میں پھینک دی۔ اخباری اطلاع کے مطابق اس کے جسم پر لاتوں اور گھونسوں کے نشانات بھی تھے۔ اور قتل کرنے سے پہلے اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ تاکہ کرب کے عالم میں وہ چیخ نہ سکے۔ گھٹ گھٹ کر مر جائے۔ ہائے قتل کا یہ منظر بھی کس قدر دلدوز اور اندوہناک ہوگا۔

بتایا جاتا ہے کہ ۵ اور ۶ مئی کی درمیانی شب کو اس جگہ سے کچھ فاصلے پر ایک دوسرے ٹیکسی ڈرائیور خان بادشاہ کو ہلاک کیا گیا تھا۔ جس کا قتل ہنوز معمہ بنا ہوا ہے۔ اس طرح ایک ماہ میں یہ تیسرا قتل بتایا جاتا ہے۔ پولیس پہلے ہی دو ٹیکسی ڈرائیوروں کے قتل کا سراغ لگانے میں مصروف تھی کہ قتل کی تیسری بھیانک واردات رُونما ہو گئی۔

کراچی میں قتل کی ان تین وارداتوں سے قبل بھی ٹیکسی ڈرائیوروں کی زندگی محفوظ نہ تھی اخبارات میں اس قسم کے واقعات کی خبریں پہلے بھی شائع ہوتی رہی ہیں، کہ فلاں جگہ سے چند نامعلوم افراد ٹیکسی پر بیٹھے اور کسی گمنام جگہ پر ٹیکسی رکوا کر ڈرائیور کی دن بھر کی کمائی لوٹ لی۔ جی میں آیا تو قتل کر دیا اور اگر ترس آگیا تو جان بخشی کر دی۔ بے رحم قاتلوں کا کام انسانی زندگی سے کھیلنا رہ گیا ہے۔ وہ انسانیت کے کسی اصُول کو نہیں سمجھتے۔ سوسائٹی کے مسلّمہ قوانین ان کے نزدیک سفید کاغذ ہے۔ تھانہ، پولیس، عدالت، انصاف اور پھانسی کا پھندہ بے معنی الفاظ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان کے مُنہ کمزور اور بے آسرا انسانوں کا خون لگ گیا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں اپنے شکار کو تاڑتے ہیں اور موقع ملتے ہی خونی دانت ان کے نرخروں پر گاڑ کر سارا خون پی جاتے ہیں۔ یہ درندے کہاں سے آگئے۔ کیسے آگئے۔ کیا یہ شہر جنگل ہے۔ جہاں جنگل کا قانون چلتا ہے۔ طاقتور کمزور کو مار دیتا ہے۔ مظلوموں کی زندگی عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے۔ کیا یہاں ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھا کر لوٹ اور دہشت گردی کا بازار گرم کر دیا گیا۔ نہیں یہ انسانوں کی بستی ہے۔ محنت کشوں کا شہر ہے اور سرمایہ داروں کا عروس البلاد۔ جھگیوں کی قطاریں ہیں۔ بلند و بالا عمارتوں اور فلیٹوں کا آسماں پھیلا ہُوا ہے۔ نم آلود چھتوں کے نیچے لالٹینیں جلتی ہیں اور کشادہ سڑکیں نیون سائن کی روشنی میں جھلملاتی ہیں۔ نہیں یہ انسانوں کا شہر ہے۔ سندھ کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ قدیم کھنڈرات بھنبھور اور موہنجو ڈارو کی تہذیب کا امین ہے۔ یہاں

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں

پارلیمانی جمہوریت

بورژوا طبقے کا سب سے کامیاب ہتھکنڈہ ہے

ظفراللہ پوشنی

جب تعلیم یافتہ افراد یہ کہتے ہیں کہ "ہم جمہوریت کے اہل نہیں ہیں" تو مجھے انتہائی بیزاری اور ناگواری کا احساس ہوتا ہے۔ ممکن ہے ایسے افراد جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، شاید وہ جمہوریت اور آمریت کی اصطلاحات سے ناآشنا ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احساسِ کمتری نے انھیں اس درجے تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جمہوریت کا اہل نہیں سمجھتے اور اپنے مسائل کا حل "ڈنڈا" تجویز کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت جب ایسے "تعلیم یافتہ افراد" اس انداز میں گفتگو کرتے ہیں تو وہ دراصل یہ بات اپنے لئے نہیں کہتے، بلکہ اُن کا اشارہ عوام، غریب انسان، محنت کشوں اور کسانوں پر مشتمل اکثریت کی طرف ہوتا ہے۔ ان کی نظروں میں ایسے افراد جن کا تعلق مظلوم، اور ناخواندہ طبقے سے ہے، وہ جمہوریت کے لئے نااہل ہیں۔ ان کے نزدیک ووٹ دینے کا حق، اظہارِ رائے کی آزادی اور اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے کا اختیار صرف اور صرف پڑھے لکھے طبقے کو ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ بات میرے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ اگر ناخواندہ لوگ غلط راہ اختیار کر سکتے ہیں تو "تعلیم یافتہ افراد بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اور غیر تعلیم یافتہ افراد تو اکثر نیک و بد کی تمیز میں تعلیم یافتہ افراد کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہٹلر کے عہد میں جرمنی کے عوام ایشیائی عوام کے مقابلے میں بہت زیادہ تعلیم یافتہ تھے مگر انہوں نے جنگ، نفرت اور نسلی امتیاز کی بنیاد پر پروان چڑھنے والے نازی فلسفے کو قبول کر لیا تھا۔ مشرقی پاکستان کی موجودہ صورتِ حال کی ذمہ داری بھی بنگالیوں کے اس طبقے پر عائد ہوتی ہے، جو سامراج سے سازباز کر کے پاکستان کی سالمیت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ یہ مشرقی پاکستان کے سامراج دوست سیاسی رہنما، سرمایہ دار، نوکر شاہی اور موقع پرست دانشور تھے۔ جنھوں نے "بنگلہ دیش" کے پرچم تلے عام لوگوں کو گمراہ کیا۔ کیا ایسے عناصر ایک عام آدمی سے زیادہ جمہوریت کے اہل ہیں؟

مسئلہ یہ ہے کہ جمہوریت کی اصطلاح وسیع اور ہمہ گیر معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ کچھ لوگ جمہوریت کو پارلیمانی جمہوریت میں گڈمڈ کر دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہی ایک حقیقی جمہوریت کی شکل ہے۔ دوسرے لوگ پارلیمانی جمہوریت کو ایک فراڈ تصور کرتے ہیں۔ اور سوویتی جمہوریت کو حقیقی جمہوریت خیال کرتے ہیں (چیکوسلاواکیہ میں روس کی کارروائی سے جمہوریت کا یہ تصور بھی دھندلاتا جا رہا ہے)۔

اس بات کو جھٹلانا ناممکن ہے کہ تہذیب کے ہر دور میں اور ہر ملک میں عوام کا ایک ایسا طبقہ ہوتا ہے جو عوام کی اکثریت پر حکمرانی کرتا ہے مصر اور یونان کے قدیم عہد میں حکمران طبقہ غلاموں کا مالک ہوتا تھا۔ وہ غلاموں کو اپنے جابرانہ، اور خودساختہ قوانین سے ہانکتا تھا۔ جب کہ غلاموں کو کسی قسم کے حقوق اور مراعات حاصل نہ تھیں۔ ان کا کام صرف ڈیوٹی دینا تھا۔ مصر میں فرعونوں کے عہد میں بھی اسی طبقے کا تسلط تھا۔ یونان کے شہروں میں محدود جمہوریت کا رواج تھا۔ اس دور میں بھی جمہوریت صرف حکمران ٹولے تک محدود تھی، سیاسی اور سماجی حقوق اور مراعات اسی طبقے کو ملتی تھیں۔ عوام کی اکثریت، اور غلاموں کو اس میں شریک نہیں کیا جاتا تھا۔

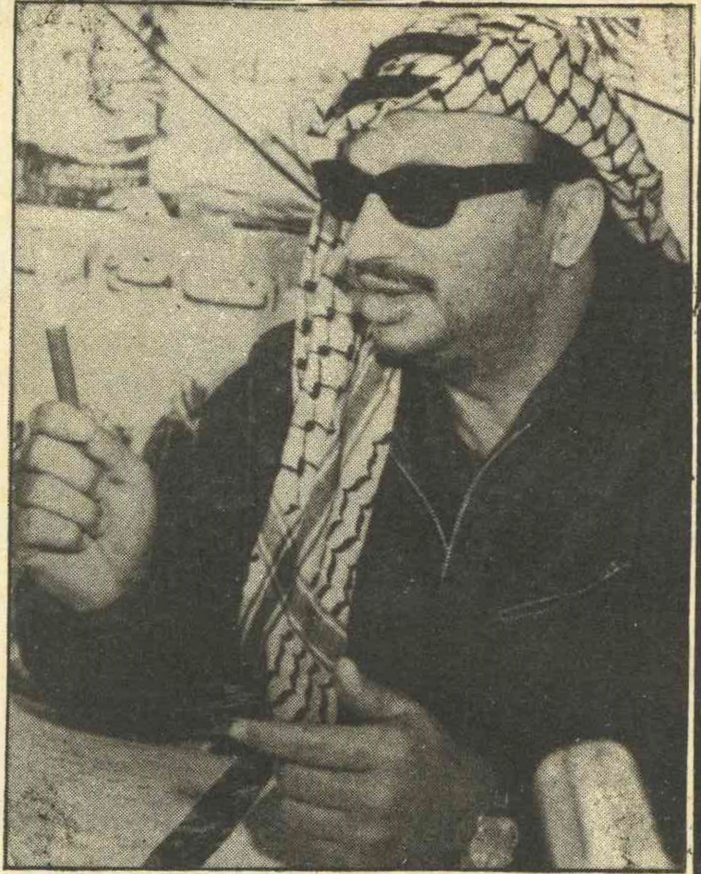
جب جاگیرداری نظام نے دنیا کے سماجی اور اقتصادی نظام پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا تو اس وقت بھی رعیت بائرنوں اور لارڈوں سے علیحدہ ایک نسل سمجھی جاتی تھی۔ اس دور کے سماجی ڈھانچے میں لارڈوں اور بائرنوں کو سب سے اعلیٰ طبقے میں شمار کیا جاتا تھا۔ انہیں ہر قسم کی مراعات حاصل تھیں۔ جس کا تصور عام لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

صنعتی انقلاب نے نئے حالات کو جنم دیا۔ یورپ کے اُبھرتے ہُوئے تاجر اور صنعتکاروں سے بڑے جاگیرداروں کے مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے۔ دونوں طبقوں کے مفادات ایک دُوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ لہٰذا دونوں ایک دُوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے۔ تاجروں اور صنعتکاروں نے حاصل شدہ مراعات پر اکتفانہ کیا۔ ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ انہوں نے آزادی، مساوات اور اخوت کے نعروں سے عوام کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ جیسا کہ فرانسیسی انقلاب میں ہُوا۔ جمہوریت کا نعرہ ناقابلِ مزاحمت بن چکا تھا۔ بورژوا طبقہ عوام کی زبردست حمایت سے "خواص کی حکومت" کا تختہ اُلٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ دُنیا کے تمام ممالک میں صنعت و تجارت کی بتدریج ترقی نے جاگیرداروں کو بحیثیت ایک طبقے کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اور پھر صنعتکاروں اور تاجروں کے طبقے نے اس کی جگہ حاصل کر لی۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ پارلیمانی جمہوریت (یا امریکہ کا صدارتی نظام) بورژوا طبقے کا سب سے آسان اور بہتر سیاسی نظام ہے۔ فوجی آمریت کے فاشی نظام میں بورژوا طبقہ بیوروکریٹوں کے گٹھ جوڑ سے طاقت میں حصہ دار بنتا ہے۔ وہ کبھی کسی مسئلے پر اختلاف کرتے ہیں، اور بیشتر موقعوں پر سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ "ایک خاص جمہوریت" میں بورژوائیوں کی قیادت مسلط ہوتی ہے۔ دولت ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے اور وہ دولت کے ذریعے سیاسی لیڈروں، پارٹیوں، پارلیمنٹوں اور وزراء پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ بورژوائی اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ دولت انتخابات کے دوران ایک فیصلہ کن طاقت ثابت ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ جمہوریت بحیثیت ایک سماجی نظام کے صنعت کاروں اور بڑے سرمایہ داروں کا ایجاد کردہ ہتھکنڈا ہے

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عوام اس نظام پر بالادست ثابت ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ عوام کا پختہ شعور ہے جو انتخابات میں بورژوا طبقے کی شکست کا باعث بن جاتا ہے۔ اگر ایسا واقعہ کبھی رونما ہوتا ہے۔ اور عوام کسی سوشلسٹ یا محنت کشوں کی کسی سیاسی پارٹی کو اکثریت سے کامیاب کرا دیتے ہیں تو پھر بورژوا مشینری حرکت میں آ جاتی ہے اور اس جمہوری نظام کو فاشسٹ لیڈروں، نوکر شاہی اور غیر ملکی طاقتوں کے گٹھ جوڑ کر ختم کر دیا جاتا ہے اور ملک میں ہنگامی صورتِ حال کا اعلان کیا جاتا ہے اور بائیں بازو کی ان پارٹیوں کو کچل دیا جاتا ہے جن کی وجہ سے انہیں انتخابات میں شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اس گھناؤنے عمل کو کیوں دھرایا جاتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بورژوا طبقے کے نزدیک جمہوریت کوئی ایسا مقدس نظام نہیں جسے اپنے مفادات پر قربان نہ کیا جا سکے۔ یہ عوام کی اکثریت پر حکومت کرنے کا ایک آسان سا طریقہ ہے۔ مختصر یہ کہ بورژوائی اس نظام کو اس وقت تک چلاتے ہیں جب تک اُن کے مفادات کو کوئی خطرہ درپیش نہیں ہوتا۔ جس دن انھیں اس نظام سے خطرہ کا احساس ہوتا ہے اُس دن وہ کسی حیل وحجت کے بغیر اُسے قربان کر دیتے ہیں۔ ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مختلف طبقات کے اتحاد سے جنم لینے والی بائیں بازو کی پارٹیوں کو موجودہ جمہوری طرزِ نظام میں حصہ لینا چاہیئے۔ انھیں انتخابات میں شامل ہو کر جمہوری آزادی سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے عوام کے بنیادی حقوق کے لئے جدوجہد کرنا چاہیئے۔ انھیں فاشزم اور آمریت کے مقابلے میں پارلیمانی جمہوریت کو ترجیح دینا چاہیئے۔ لیکن اس دوران انھیں اپنے بورژوا جمہوریت پسند اتحادیوں کی چالوں سے پوری طرح باخبر اور ہوشیار بھی رہنا چاہیے۔ جو اپنے مفادات کو بچانے کے لئے انھیں کسی بھی لمحے آمریت کے استبداد میں جکڑ سکتے ہیں۔ ہر پارٹی کے اندر دراصل طبقاتی تضادات کام کرتے ہیں اور ہر طبقہ اپنے طبقے کے مفادات کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ یہ جدوجہد کبھی پُرامن اور کبھی اگر ضرورت ہوئی تو تشدد سے بھرپور بھی ہوتی ہے۔

ہم اپنے وطن کو آزاد کرائیں گے



اردن کی بدو فوج نے ہلاکو اور
چنگیز خاں کے مظالم کو مات کر دیا

عربوں کو فلسطین سے نکالنے کیلئے "خونی غسل" کا طریقہ اپنایا گیا

وہاب صدیقی

یہ ۱۹۴۸ء ہے۔ دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر ہزاروں خیمے نصب ہیں۔ لاکھوں فلسطینی عرب غربت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بھوک، افلاس اور موت آسیب کی طرح مسلط ہے۔ فلسطینی عربوں کے چہروں پر زندگی کی رمق نہیں۔ مایوسی اور ناامیدی جھلک رہی ہے۔ وطن عزیز کی واپسی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ انھیں مستقبل تاریک دکھائی دے رہا ہے۔ مایوسی اور ناامیدی نے معاشرتی برائیوں کو جنم دے دیا ہے اب یہ بھیک مانگنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چھ سے آٹھ سال کی عمر کے فلسطینی بچے، غیر ملکی سیاحوں اور صحافیوں سے سگریٹوں کی بھیک مانگتے ہیں اور اُن کے پھینکے ہُوئے سگریٹوں کے ٹکڑے اُٹھا کر زور سے کش لگا کر وقتی سکون حاصل کرتے ہیں۔ بلادِ مغرب کے یہ صحافی واپس جا کر لکھتے ہیں کہ عرب بہت پسماندہ، غیر مہذب اور بھیک منگے ہیں۔

یہ ۱۹۶۷ء ہے دریائے اردن کے کنارے خیموں کی قطاریں اور لمبی ہو گئی ہیں۔ غیر ملکی صحافیوں سے سگریٹوں کی بھیک مانگنے والے جوان ہو چکے ہیں۔ ان کی جگہ مہاجر کیمپوں میں پیدا ہونے والے بچوں نے لے لی ہے لیکن یہ چھ اور آٹھ سال کے بچے امریکی صحافیوں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ سگریٹ کی بھیک نہیں مانگتے۔ دراصل اس عرصے میں ایک نمایاں اور زبردست تبدیلی آچکی ہے۔ مہاجر کیمپوں میں پروان چڑھنے والی نوجوان نسل آج بندوقیں ہاتھ میں لئے آزادیٔ وطن کا راستہ ہموار کر رہی ہے آج ان کی بندوقوں کا رُخ حیفہ کی طرف ہے "صاحب ایک سگریٹ دے دو، خدا کے واسطے ایک سگریٹ دے دو" کی بجائے ان کے لبوں پر یہ انقلابی ترانہ ہے:-

ہم آگے بڑھ رہے ہیں
ہم آگے بڑھ رہے ہیں
ہمیں یہ دھن ہے کہ
اپنے وطن کو آزاد کرائیں گے
دنیا کی کوئی طاقت ہمیں
فتح حاصل کرنے سے نہیں روک سکتی
ہم انقلابی بچے ہیں
بندوق ہمارے ہاتھ میں ہے
انتقام کے لئے، انتقام کے لئے

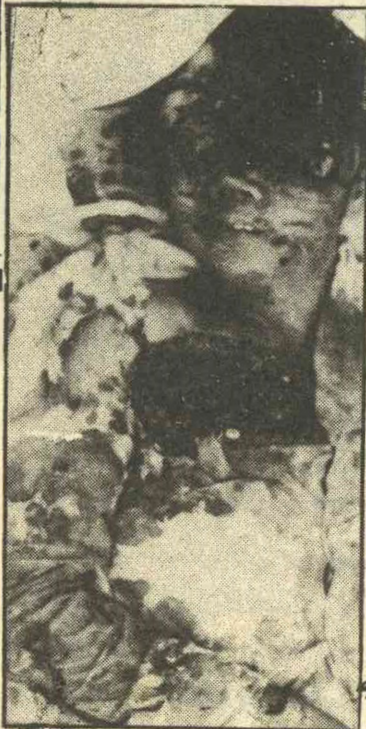
امریکن یونیورسٹی بیروت کا ایک طالب علم اپنے والدین کو لکھتا ہے:

"بیس سال سے ہم فلسطینی مسئلے کے منصفانہ حل کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس عرصے میں ہم نے جو کچھ حاصل کیا وہ تباہی، بربادی اور صبر کے سوا کچھ نہیں۔ جب کہ غاصب مستقل ہمارے وطن پر قابض ہیں۔ میں خانہ بدوش کی حیثیت سے رہنا نہیں چاہتا میں نے مجاہدینِ آزادی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہوں گی"

عمان کے ایک مہاجر کیمپ میں مقبوضہ فلسطینی علاقے میں اسرائیلی توسیع پسندوں سے لڑتے ہُوئے شہید ہونے والے ایک فدائی کی ماں نے کہا:

"مجھے فخر ہے کہ میرا بیٹا اس کیمپ میں نہیں مرا۔ غیر ملکی صحافی یہاں آتے ہیں اور راشن حاصل کرنے کی خاطر قطاروں میں کھڑے ہُوتے لوگوں کی تصویریں کھینچتے ہیں۔ وہ تصویروں کو اس طرح شائع کرتے ہیں جیسے ہم بھیک منگے اور فقیر ہیں۔ یہ کوئی زندگی نہیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اپنے شہید بیٹے کی جگہ لینے کے لئے دوسرے بیٹے کو بھیج دیا ہے۔ اور اب آٹھ سالہ بچے کو بھی اسی مقصد کے لئے پال رہی ہوں کہ وہ بھی آزادی وطن کی جنگ میں حصّہ لے سکے"

ہزاروں فلسطینی عرب، فدائیوں کی صفوں میں شامل ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے دیس کو آزاد کرانے



شاہ حسین کی فوج نے امریکی سامراج کا حقِ نمک ادا کرنے میں ظلم و بربریت کی بھیانک مثال قائم کر دی

توسیع پسند عناصر نہ اپنے ہاتھ سے چھرا رکھیں گے



الفتح کا پہلا جواں سال شہید احمد موسے اپنے وطن کی آزادی کی چاہت میں ۸ر جنوری ۱۹۶۵ء کو اردن کے رجعت پسندوں سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔

کے لئے مسلح جدوجہد کی راہ پر گامزن ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ باہمی گفت وشنید اور پُرامن طریقے سے فلسطین کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اسرائیل سامراج کی ناجائز اولاد ہے۔ توسیع پسندانہ عزائم اسے ورثہ میں ملے ہیں۔ اس کی فطرت نہیں بدلی جاسکتی، توسیع پسند عناصر اپنے خاتمے تک نہ تو اپنے ہاتھ سے قصاب کا چھرا چھوڑیں گے اور نہ کبھی جاہانہ بننے سے باز آئیں گے۔

اسی لئے عرب حریت پسند مسلح جدوجہد کر رہے ہیں۔ اور انقلابِ فلسطین کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔

مسئلہ فلسطین کا پس منظر

یورپ میں اُنیسویں صدی کے آخر میں منظم طریقے سے صہیونی تحریک کے بیج بوئے گئے۔ سوئٹزرلینڈ کے مقام بال میں پہلی صہیونی کانگریس اگست ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔ اس کانگریس میں صہیونی تحریک کا مقصد یہ بتایا گیا۔ "صہیونیت کا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں کے لئے فلسطین میں ایک گھر (ریاست) تعمیر کیا جائے۔ جسے قانون کا تحفظ حاصل ہو۔"

اس مقصد کے حصول کے لئے پروگرام مرتب کیا گیا وہ پروگرام یہ تھا:

- فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری میں اضافہ
- ایک تنظیم کا قیام جو دُنیا کے تمام یہودیوں کو مختلف اداروں کے ذریعہ منظم کرے۔
- یہودیوں کے قومی اور نسلی برتری کے جذبات کو اُجاگر کرنا۔
- صہیونیت کی تکمیل کے لئے ریاست کے قیام کا اعلان۔

اس مقصد کے حصول کے لئے جو طریقے اپنائے گئے وہ ظلم وتشدد، جبر واستبداد اور مکر وفریب پر مبنی تھے۔ جن کے متعلق آرنولڈ ٹوائن بی نے جامعہ میکگل میں اپنے لیکچروں کے دوران کہا تھا کہ:

"یہودیوں کا عربوں کے ساتھ طرزِ عمل نازیوں جیسا تھا۔ جس طرح ہم نازیوں کے جرائم کو ناقابلِ معافی اور ناقابلِ دفاع سمجھتے ہیں، اسی طرح یہودیوں کے عربوں پر جرائم ناقابلِ معافی اور ناقابلِ دفاع ہیں"

صہیونی تحریک کے بانیوں کے ذہن میں بھی شاید یہ وہم وگمان نہیں ہوگا کہ اُن کے پیروکار اسرائیلی ریاست کے قیام کے لئے اتنا ظلم وتشدد کریں گے کہ قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ کا زمانہ بھی جسے تاریخ میں دورِ بربریت کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسی سنگ دلی کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ عہدِ بربریت اور عہدِ تاریک میں انسانوں نے فاقوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے بارہا ہجرت کی ہے۔ بادشاہوں نے عظیم الشان سلطنتوں کی تعمیر کی خاطر توسیع الارض کی ہوس پالی ہے۔ تاہم ہر دو صورتوں میں جب طاقت ور فریق اپنے مخالف کو بزورِ قوت زیر کرلیتا اور حکمران بن جاتا تو بےگناہ شہریوں کو اتنی بڑی تعداد میں ذبح نہ کیا کرتا تھا۔ اس لئے کہ عہدِ وحشت وبربریت میں بھی یہ حرکت فاتحین کے وقار کے منافی سمجھی جاتی تھی۔ اسرائیل بیسویں صدی کی نوآبادیاتی استعمار اور توسیع پسندی کی بھیانک مثال ہے کہ لاکھوں عربوں کو ڈھور ڈنگروں کی طرح اُن کے مادرِ وطن سے باہر ہانک دیا گیا۔ اور لاکھوں کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح کچل دیا گیا۔ اس حقیقت کا اعتراف صہیونی تحریک کے ایک علم بردار ناتھن چوفش نے فروری ۱۹۶۹ء میں جیوش نیوز لیٹر کے مدیر کے نام ایک خط میں کیا۔ وہ لکھتا ہے۔

"اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ فلسطین میں عربوں پر کیا بیتی تو یہ بات صرف وہ ہی یہودی بتا سکتے ہیں جو فلسطین میں پہلے سے آباد ہیں اور جنہوں نے جنگ اپنی آنکھوں سے دیکھی کہ کس طرح ہم نے عربوں سے زبردستی شہر، مکانات خالی کرائے۔ کچھ کو بزورِ شمشیر بےدخل کیا گیا اور بعض کو مکر وفریب، دھوکے سے اُن کے آبائی شہروں اور گھروں سے نکالا گیا۔ جافا، لِڈا، رامیح، بیرلشیا اور عکرہ کے شہر ہمارے اقدامات کا زندہ ثبوت ہیں۔ ہم فلسطین آئے اور عربوں کو خانہ بدوش بنا دیا۔ اُن ہی کے ملک میں اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے کئے پر نادم ہوں اور بدنصیب فلسطینی مہاجرین کی مدد کریں ہم اپنے دہشت ناک اقدامات کو جائز سمجھتے ہیں۔"

ایک یہودی لیکن حق گو پروفیسر ایرک اردم لکھتا ہے:

"عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ عرب فلسطین سے فرار ہوگئے اور انہوں نے رضاکارانہ طور پر فلسطین یہودیوں کے حوالے کر دیا لہٰذا اس وجہ سے اپنی بےدخلی کے وہ خود ہی ذمہ دار ہیں لیکن بین الاقوامی عدالت کے قانون کے مطابق یہ اصول بالکل مسلّمہ ہے کہ کوئی شہری اپنی ملکیت یا شہریت کے حقوق خود نہیں چھوڑتا اور شہریت کا حق ایک قانونی حق ہے جبکہ فلسطین میں یہودیوں سے زیادہ عرب حق دار ہیں۔"

پروفیسر ایرک اردم آگے چل کر لکھتا ہے:

"فرض کیجئے عرب فرار ہوگئے۔ تب بھی اُن کی جائداد ہڑپ کرنے اور انہیں واپس آنے کے حق سے محروم کرنے کی سزا کسے دی جائے گی۔ یہودیوں کا فلسطین میں اسرائیلی ریاست کا مطالبہ نہایت احمقانہ اور بےبنیاد ہے۔ اگر ساری قومیں اُن علاقوں کے مطالبہ کرنے لگے جہاں دو ہزار سال قبل اُن کے آباؤ اجداد رہتے تھے تو یہ دنیا پاگل خانہ بن جائے گی۔

ایک اور مؤرخ آرتھر کوئسٹلر کہتا ہے

"عربوں کو فلسطین سے نکالنے کے لئے "نرمی خسل" کا طریقہ اپنایا گیا۔ اسی منصوبے کے تحت ۹ر اپریل ۱۹۴۸ء کو صہیونی دہشت پسند تنظیم 'ارگون زوانی لیومی' نے دیر یاسین میں اڑھائی سو مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہلاک کرکے اُن کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ طریقہ فیصلہ کن اور مؤثر ثابت ہوا۔ عرب اپنا وطن چھوڑ کر جانے لگے۔"



سگریٹوں کی بھیک مانگ

...اور نہ مہاتما بدھ بنیں گے



ستمبر ۱۹۷۰ء کی خانہ جنگی میں اردنی ٹینک فلسطینیوں کے گھروں کو مسمار کر رہے ہیں

یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے فلسطینی عرب اپنے وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

اسرائیل کے قیام سے پہلے منظم پلان کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں بسایا گیا۔ ۱۹۲۲ء میں فلسطین میں مسلمان اور عیسائی عرب کل آبادی کا ۹۱ فیصد تھے۔ اور فلسطین کی ۹۸ فیصد زمین ان کی ملکیت تھی۔ اعلانِ بالفور کے بعد سے دنیا کے مختلف حصوں سے یہودیوں کو لا لا کر یہاں بسایا جانے لگا۔ لیکن ۱۹۴۸ء تک مسلمان اور عیسائی عرب فلسطین کی ۶۹ فی صد آبادی پر مشتمل اور ۹۴ فیصد زمین کے مالک تھے۔ اقوامِ متحدہ نے امریکی سامراج اور برطانیہ کے اشارے پر فلسطین کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور فلسطین کا ۵۴ فیصد علاقہ یعنی ۱۴۵۰۰ کلومیٹر کا رقبہ یہودیوں کو دے دیا۔ حالانکہ آبادی کے تناسب سے انھیں صرف چھ فیصد سے زیادہ علاقہ نہیں لینا چاہیئے تھا۔ ڈاکٹر مزاہم کتاب "فلسطین ہماری تجارت ہے" میں لکھتا ہے کہ:

"۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ہماری حکومت نے دھڑے بندی کے شرمناک اور غیر مہذب حربے استعمال کر کے دوسرے ملکوں کو فلسطین کی تقسیم کے حق میں ووٹ ڈالنے پر مجبور کیا۔"

اسرائیلی ریاست کے قیام کے فوراً بعد اسرائیلی توسیع پسندوں نے امریکی سامراج اور برطانوی نوآبادکاروں کی مدد سے ستر ہزار مربع کلومیٹر کا علاقہ چھین لیا اور اس طرح سے فلسطین کے اسّی فیصد علاقے پر قابض ہو گیا۔ ۱۹۶۷ء میں صحرائے سینائی اور گولان کی پہاڑیوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

تقریباً بیس سال تک فلسطینی عرب عالمی طاقتوں اور اقوام متحدہ سے اپنے حقوق کی بحالی کے لئے مطالبات کرتے رہے لیکن ان کی آواز پر کسی نے کان نہیں دھرا۔ اقوامِ متحدہ نے بعض قراردادیں نہایت بے دلی سے پاس کیں اور ان پر بھی عمل درآمد نہیں ہوا۔ ان حالات میں جو واحد راستہ فلسطینی عربوں کے لئے رہ گیا تھا وہ تھا مسلح جدوجہد، چنانچہ حریت پسندوں نے امریکی سامراج اور اُس کی ناجائز اولاد اسرائیل کے خلاف ہتھیار اٹھا لئے۔

الفتح کا قیام اور مسلح جدوجہد

اسرائیلی توسیع پسندوں کے جبر و استبداد اور ظلم و تشدد کے ردِ عمل نے فلسطینی قومی تحریکِ آزادی کو جنم دیا۔ الفتح وجود میں لائی گئی۔ اس کا جنگی محاذ العاصفہ کہلایا۔ ۱ جنوری ۱۹۶۵ء کو اس کے فدائیوں نے دشمن کے خلاف پہلی فوجی کارروائی کر کے مسلح انقلاب کی شمع روشن کی۔ اس میں الفتح کا ایک فدائی احمد موسیٰ شہید ہوا۔ وہ الفتح کا پہلا فدائی تھا جس نے جامِ شہادت نوش کیا۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد سے الفتح کے فدائیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ حریت پسند اسرائیل پر تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں۔ الکرامہ میں اسرائیلی توسیع پسندوں کو عبرت ناک شکست دی۔ فدائیوں کے حملوں کا نشانہ صرف دریائے اردن کا مغربی کنارہ ہی نہیں بلکہ گذشتہ دو برسوں میں اسرائیلی مقبوضہ علاقے میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں فدائیوں نے حملہ نہ کیا ہو۔ شام کی گولان کی پہاڑیوں سے لیکر خلیج عقبہ میں بندرگاہ ایلات، وادی اردن سے تل ابیب، یروشلم اور دیگر اسرائیلی شہر سب ہی فدائیوں کے حملوں کا نشانہ بنے۔ لاتعداد اسرائیلی فوجیوں کو ہلاک اور اسلحہ کے ذخائر کو نذرِ آتش کیا۔ تیل کی پائپ لائن، ریلوے اسٹیشن، ریلوے پل اور ہوائی اڈوں کو اڑا دیا گیا۔ مقبوضہ علاقے میں فلسطینی مظلوم عوام کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے یہ اسرائیل کے ہر شہر پر کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ مغربی پریس نے اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ "اسرائیل اپنی تمام تر فوجی برتری کے باوجود عرب فدائین کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ عرب ممالک سے زیادہ اسرائیل کے لئے سب سے بڑا خطرہ فدائین ہیں" اسرائیلی وزیرِ دفاع موشے دایان کو بھی مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ "جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد فلسطینی حریت پسندوں نے ایک دن بھی اسرائیل کو چین لینے نہیں دیا۔"

اردنی رجعت پسندوں کا کردار

صیہونیت کے خلاف فلسطینی مجاہدین اور الفتح کی شاندار کامیابیوں نے عرب عوام کے دلوں میں زندگی اور آزادیٔ فلسطین کے ولولے جگا دیئے ہیں۔ لوگ جوق در جوق الفتح میں شامل ہو رہے ہیں۔ فدائین کی کامیابیوں نے جہاں عرب عوام کے دلوں میں امید کے چراغ روشن



...والے ہاتھوں نے اب بندوق اٹھالی ہے

یہودی، عربوں سے نازیوں جیسا سلوک کر رہے ہیں۔ ٹوائن بی

کر دیتے ہیں وہاں دوسری جانب اسرائیلی توسیع پسندوں اور اُس کے آقا امریکی سامراج کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ فلسطینی عوام کی مسلح جدوجہد کو کچلنے کے لئے ایک طرف تو امریکی سامراج اسرائیل کو جدید ترین اسلحہ سے لیس کر رہا ہے۔ فوجی منصوبے بنا کر دیتا ہے۔ اسرائیلی فوجیوں کو تربیت دے رہا ہے۔ دوسری جانب وہ "عربوں کو عربوں سے لڑانا" کی پالیسی پر برسرکار ہے۔ اردن کا رجعت پسند حکمران اور اُس کے حواری اپنے ان داتا چچا سام کے اشارے پر فدائین کو کچلنے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

فدائین کی اکثریت اردن میں ہے۔ اردن کے سامراج نواز حکمران نے ۱۹۶۸ء کی ابتدا میں فدائین کے خلاف فوجی کارروائی کی۔ ستمبر ۱۹۷۰ء میں تو اردنی حکمران نے فدائین کو ختم کرنے کے لئے اپنا پورا زور لگا دیا۔ چالیس ہزار فوجیوں نے پانچ سو ٹینکوں کی مدد سے اردن میں فدائین کے خون سے ہولی کھیلی۔ عمان کی سڑکوں گلیوں بازاروں اور کوچوں میں لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ جس مکان میں کسی فدائی کی موجودگی کا شک گزرتا اُسے بموں سے اڑا دیا جاتا۔ شاہ حسین نے اپنی بدو فوج کو حریت پسندوں کے قتلِ عام کی کھلی اور اعلانیہ اجازت دے دی۔ اجازت دینے کی دیر تھی کہ اس بدو فوج نے ہلاکو اور چنگیز خاں کے ظلم و تشدد کو بھی مات کر دیا۔

شاہ حسین کی ریاست مصنوعی اور برطانوی سامراج کی قائم کردہ ہے۔ برطانوی حکومت نے اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے فلسطین اور عراق کے کچھ علاقہ کو "شرق اردن" کا نام دے کر اسے شریف مکہ کے بیٹے عبداللہ کے حوالے کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر معاہدہ بالفور کے تحت اسرائیلی ریاست نہ بن سکے تو اردن کی ریاست اس کے سامراجی مفادات کا تحفظ کرے چنانچہ شاہ اردن ہمیشہ سے برطانیہ کے اشارے پر کھیلتے رہے ہیں۔ اور اُس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود فدائین کو ختم کرنے میں وہ ناکام رہے ہیں۔ فدائین اگر ایک جانب شاہ حسین سے لڑ رہے ہیں تو دوسری جانب اسرائیل سے برسرِپیکار ہیں۔ گذشتہ چودہ ماہ میں انہوں نے اسرائیل پر ۶۰۹۴ حملے کئے

"فلسطینی ریاست" ایک فراڈ

امریکی سامراج، اسرائیلی توسیع پسند اور رجعت پسند عناصر فلسطینی انقلاب کی رد کرنے کے لئے فدائین کے خلاف مسلح کارروائیاں کرنے کے علاوہ مختلف سیاسی چالیں بھی چل رہے ہیں۔ گذشتہ ستمبر میں امریکی سامراج اور اُس کے حاشیہ برداروں نے دریائے اردن کے ساتھ ایک چھوٹے سے علاقہ میں "فلسطینی ریاست" کے قیام کا منصوبہ پیش کیا۔ درحقیقت اس پیش کش کا مقصد یہ تھا کہ ایک چھوٹا سا علاقہ فلسطینی عوام کو دے کر ان کی مسلح جدوجہد کو کسی طرح ختم کرایا جائے اور فلسطینی انقلاب کی رد کی جائے۔

جب عوام مسلح جدوجہد کی راہ اختیار کر لیتے ہیں تو پھر ان کا شعور دوست، دشمن، حق اور باطل، حقیقت اور فریب میں تمیز کرنے میں دیر نہیں لگاتا۔ فلسطینی عوام جو صرف مسلح جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں "فلسطینی ریاست" کی پیشکش کے پس پردہ کام کرنے والے عوامل کو جان گئے چنانچہ فلسطینی قومی تحریکِ آزادی کی مختلف تنظیموں نے اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے مسلح جدوجہد کو مسئلہ فلسطین کا آخری حل قرار دیا۔ ستمبر ۱۹۷۰ء کے بعد فلسطینی قومی تحریک آزادی اور اُس کے ترجمان "فتح" نے "فلسطینی ریاست" کے قیام کی امریکی سازش کی مذمت میں کئی بیانات اور مضامین لکھے۔ اور فلسطینی قومی کونسل نے مارچ ۱۹۷۱ء میں اپنے سیاسی پروگرام مرتب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا کہ "پورے فلسطین کو آزاد کرانے کا واحد راستہ مسلح جدوجہد ہے۔ اس لئے ہم ہر تجویز اور فلسطینی ریاست کے قیام کو مسترد کرتے ہیں۔"

اگرچہ فدائین نے "فلسطینی ریاست" کی تجویز کو مسترد کر دیا ہے لیکن امریکی سامراج اب بھی باز نہیں آ رہا۔ سامراجی اخبارات اس پیش کش کی حمایت میں کالم کے کالم سیاہ کر رہے ہیں تاکہ فلسطینی عوام کے ذہنوں کو پراگندہ کیا جا سکے۔ لیکن ان کا یہ حربہ قطعاً ناکام رہے گا۔ کیونکہ الفتح فلسطینی ریاست کے قیام کا واضح نظریہ، اور نکتۂ نظر رکھتی ہے۔ الفتح کے اغراض و مقاصد میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل جس کی بنیاد نسلی برتری، مذہبی تنگ نظری، تشدد اور توسیع پسندی پر ہے، ختم کر کے فلسطین میں ایک وحدانی جمہوری اور سیکولر فلسطینی ریاست قائم کی جائے گی۔ جس میں بلا تمیز مذہب و ملت تمام افراد کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے اور وہ ریاست غیر ملکی تسلط سے آزاد ہوگی۔

آخری فتح تک جنگ کرنے کا عزم

فلسطینی عوام کی مسلح جدوجہد امریکی سامراج، اسرائیلی توسیع پسندوں اور اردنی رجعت پسندوں سے یہ تسلیم کرا چکی ہے کہ اس جدوجہد کو روکنے میں اُن کے تمام حربے ناکام ہو چکے ہیں۔ فدائین نے عرب عوام کے دشمنوں پر نمایاں اور قابلِ ذکر کامیابیاں حاصل کر کے عوام کے دل جیت لئے ہیں اور اُن کی تحریک عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہے۔

فدائین اگرچہ "کل کے فلسطین" کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں الفتح کا فلسطینی انقلاب عرب انقلاب کا ایک حصّہ ہے جس کا مقصد آزادی، غیر ملکی تسلط کا خاتمہ، عرب عوام کی خوشحالی ہے اور ایک اعتبار سے فلسطینی انقلاب کو عالمی انقلاب کا ایک حصّہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور انھیں تمام دنیا کے عوام کی تائید اور حمایت حاصل ہے۔

مادی اعتبار سے کمتر اور تعداد میں مختصر ہونے کے باوجود فتح یقیناً فلسطینی عوام کا مقدر بن چکی ہے۔ چیئرمین ماؤزے تنگ نے کہا ہے "بے شمار حقائق اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ منصفانہ نصب العین کو زبردست امداد و تعاون حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ غیر منصفانہ نصب العین کو بہت کم امداد و تعاون حاصل ہوتا ہے۔ ایک کمزور ملک طاقتور ملک کو شکست دے سکتا ہے اور ایک چھوٹا ملک بڑے ملک کو شکست دے سکتا ہے۔ ایک چھوٹے ملک کے عوام یقیناً بڑے ملک کی جارحیت کو ناکام بنا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ جدوجہد کرنے اور ہتھیار اُٹھانے کی جرأت کریں۔ اور اپنے ملک کی قسمت خود اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ یہ تاریخ کا ایک قانون ہے" اب فلسطینی عوام ماؤزے تنگ کے اس قول کی عملی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ فدائین مادرِ وطن کی آزادی کے لئے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ اور اُن کے قدم عظیم فتح کی طرف بڑھ رہے ہیں اور "کل کا فلسطین" اُن کے استقبال کی تیاریاں کر رہا ہے۔

مصنف : تورے زیتیر ہوم

شنگھائی کی عورتیں

ترجمہ
جمیل الدین عالی
افضل صدیقی

ڈرامہ "شنگھائی کی عورتیں" دنیا کی بہترین تحریروں میں سے ایک ہے۔ مصنف نے آزادی سے قبل چین کے جاگیردارانہ دور کے مظالم کی کہانی ڈرامہ کے قالب میں ڈھالی ہے۔

(۵)

چھٹی عورت : کیا اُسے میری کہانی پسند نہیں آئی۔

دان : تم نے مجھے اپنی زندگی کی داستان سنائی۔ میں تمہارا ممنون ہُوں

چھٹی عورت : مجھے یقین ہے ہمارا دوست اُن مردوں میں سے نہیں ہے جو عورتوں کا استحصال کرتے ہیں۔

دان : نہیں ایسی بات نہیں (تماشائیوں سے مخاطب ہو کر) میں اس ملک میں ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں۔ جس کی عزت ہمارے روپے سے اتنے طویل عرصے تک لوٹی جاتی رہی۔ اسی لئے مجھے ندامت ہوتی ہے کہ میں آج یہاں مجرموں کی طرح کھڑا ہُوں۔ بچپن میں میں نے ڈاکٹر کی حیثیت سے ان ملکوں میں جانے کے خواب دیکھے تھے۔ یہ لوگ اس چیز کے تحفّظ کی توقع مجھ سے کب تک کر سکتے ہیں، جس پر میں یقین ہی نہیں رکھتا۔ خالصتاً وفاداری اور دیانت داری کے ساتھ اس چیز کا تحفظ اور دفاع کیسے ہو سکتا ہے۔ وفاداری تو اپنے آپ ہی سے ہوتی ہے۔ یہ وفاداری دُوسری تمام وفاداریوں سے زیادہ اہم ہے۔

آٹھویں عورت : اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اچھا آدمی ہے۔

پانچویں عورت : مجھے خرید و فروخت کرنے والے لوگوں پر بھروسہ نہیں۔

چھٹی عورت : مگر یہ تو لوگوں کی خرید و فروخت کا کاروبار نہیں کرتا؟

دان : کیا کہہ رہی ہیں یہ؟

ترجمان : یہ کہتی ہیں تم لوگوں کی خرید و فروخت کرنے والوں میں سے نہیں ہو (مسکراتے ہُوئے) انھیں خرید و فروخت کرنے والے لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔

دان : ہاں میں سمجھتا ہُوں۔ تمہارا مطلب اُن لوگوں سے ہے جو یہ کہتے ہیں "بزنس بزنس ہے" (ایک لمحے کے لئے وہ تذبذب میں پڑ جاتا ہے) ایک سال پہلے میں ہانگ کانگ میں ایک تاجر دوست سے ملا تھا۔ وہ ایک تیرہ سالہ لڑکی کے بارے میں بڑی شیخی بگھار رہا تھا۔ جسے اُس نے بازارِ حسن سے خریدا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ جب لڑکی نے اپنی عمر بتائی اور جب اُس نے برہنہ ہو کر مجھو کا پیٹ دکھایا تو اُسے تھوڑی دیر کے لئے تامّل ہُوا۔ تھوڑا تذبذب بھی۔ لیکن وہ اُس کی قیمت ادا کر چکا تھا۔ اُس نے کسی نہ کسی طرح اپنی قیمت وصُول کر ہی لی۔ بزنس بزنس ہی ہوتا ہے۔

چھٹی عورت : یہ کیا کہہ رہا ہے؟

ترجمان : یہ ہانگ کانگ کی اُن لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کا ذکر کر رہا ہے، جسے خرید لیا گیا تھا۔ اور جس کی عمر صرف ۱۳ سال تھی۔

چھٹی عورت : تو پھر کیا ہُوا، بازارِ حسن میں لڑکیوں ہی کا کاروبار ہوتا ہے اور گاہک تو ایسی لڑکی چاہتا ہے جسے کسی مرد نے پہلے ہاتھ بھی نہ لگایا ہو۔

ساتویں عورت : مگر اب یہ سارے دھندے ختم ہو چکے ہیں۔

(دوسری عورتیں اس کی گفتگو کے دوران تمثیل پیش کرتی ہیں)

"جب چین میں انقلاب آیا تو ہم نے بازارِ حسن صاف کر دیا۔ انسانی جسموں کی تجارت بند کر دی۔ ہم نے چکلوں کے مالکوں کو پکڑ لیا۔ وہ مقتل میں جاتے ہُوئے روتے۔ گڑگڑاتے، مگر انھیں جانے نہیں دیا گیا، ایک سؤر کسی نہ کسی طرح بچ گیا۔ اس نے پہلے کی طرح پھر کاروبار جما لیا مگر ایک دن جب وہ عوامی فوج کے ایک سپاہی کو پھسلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اُسے دھر لیا گیا۔ کاش تم نے اس کا شکار دیکھا ہوتا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس اس پر کیا گزرے گی۔ وہ بُری طرح رو رہا تھا۔ مدد کے لئے گڑگڑا رہا تھا۔ اِدھر سے اُدھر بھاگ رہا تھا۔ کبھی لڑکیوں کے اسکرٹس میں پناہ لینے کی کوشش کرتا۔ کبھی لڑکوں کی ٹانگوں میں گھس جاتا۔"

(دوسری عورتیں اس دلال اور اُس کے تعاقب کا منظر تمثیلاً پیش کرتی ہیں)

"مگر اس کا رونا گڑگڑانا سب بیکار تھا۔ جسموں کی تجارت ختم ہو چکی تھی۔

اوراس سوّر کو بھی ختم ہونا تھا؛"

(عورتیں نظر نہ آنے والے سوّر کا تعاقب کرتی ہیں۔ آخر اُسے پکڑ لیتی ہیں۔ وہ رحم کی بھیک مانگتا ہے مگر وہ اُس کے سینے میں چاقو گھونپ دیتی ہیں)

"اگر کوئی ایسا شخص ہے جو گذرے ہُوئے شرمناک دنوں کا متمنی ہے جب دُنیا کے عیار اور مکار لوگ چکلے میں کاروبار کرتے تھے تو اُسے ایسی عورتوں سے سابقہ پڑے گا جو سوّروں کے پیٹ میں چاقو گھونپنا جانتی ہیں"۔

(عورتیں سنگینیں لئے دان کی طرف اس طرح بڑھتی ہیں جیسے وہ اس پر حملہ کرنے والی ہیں۔ دان ڈر کر پیچھے ہٹتا ہے)

دان: (گھبرا کر کھسیانی ہنسی ہنستے ہُوئے، جیر خیر وہ تو مضحکہ خیز بات تھی (تماشائیوں سے مخاطب ہو کر)، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس وقت کیا محسوس ہوتا ہوگا۔ جب کوئی اس شبہ میں پڑ جاتے کہ محض لاعلمی میں وہ سوّروں کی خدمت کرتا رہا ہے۔ یہ شیخی بگھارنے والی بات معلوم ہوتی ہے لیکن میں جو سچ بولتے ہُوئے ہچکچا رہا ہوں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں خوفزدہ ہُوں۔ مجھے جو چیز اظہار صداقت سے باز رکھتی ہے اور جس کے باعث میں راتوں کو سخت اذیت میں مبتلا رہا ہُوں وہ میری اپنی بے یقینی ہے۔ جیسے مجھے نہیں معلوم کہ اصل سچائی کیا ہے۔ میں غریب اور مظلوم کسانوں کے بارے میں نہیں سوچ رہا ہُوں۔ بدقسمتی سے یہ بات تو بالکل واضح ہے۔ میرے ذہن میں تو ہر وہ بات آرہی ہے جس کی مجھے اس وقت تردید یا تصدیق کرنی پڑے گی۔ جب میں اپنی کمپنی کے خلاف کوئی اقدام کروں۔ اس پروپیگنڈہ مشن کے سلسلہ میں چانگ نے مجھے جو کام سونپا ہے۔ مجھے اسی کا خیال اور فکر ہے۔ (تیز لہجے میں)، کیا میری بات کا یقین آیا، آپ کو؟ میں غدار نہیں ہُوں۔ لیکن آپ یہ بتائیں میری جگہ آپ ہوتے تو ان حالات میں کیا کرتے؟

بارھویں عورت: ہم اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔

(پانچویں عورت نتھنے پھُلا کر برہمی کا اظہار کرتی ہے)

پہلی عورت: (دلاسا دیتے ہُوئے) یہ کم عمر لڑکیاں خواہمخواہ ہنگامہ کرتی ہیں۔ بڑی باختیار ہو گئی ہیں۔

ساتویں عورت: (بگڑ کر) آخر اس میں حرج کیا ہے؟

پہلی عورت: میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ کوئی بُری بات ہے۔

(دان سے مخاطب ہو کر) آپ چونکہ ہمارے دوست ہیں اس لئے ہم آپ کو اپنی زندگیوں کے بارے میں سب کچھ بتا رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے آپ ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے

دان: لیکن تم سب مجھ سے کیا چاہتی ہو؟

پہلی عورت: تم سچ بات تو کہہ سکتے ہو۔

دوسری عورت: دُوسرے لوگوں کو سچ بات نہیں معلوم۔

ساتویں عورت: جب ہم لوگوں کو بتاتے ہیں کہ بہیمیت اور عصمت باختگی کے بعد ہم پر کیا گزری تو وہ یقین نہیں کرتے۔

دان: مگر میں تم پر یقین کرتا ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم جھُوٹ نہیں بول رہیں۔

چوتھی عورت: جو کچھ ہم پر بیتی ہے آپ اُسے صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ معمر لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے گذرے ہُوئے سالوں کے زخم اپنے جسم اور دل پر نہ سہے ہوں۔

دان: ہاں میں جانتا ہُوں۔ یہ نہ بھُولو کہ مجھے یہاں رہتے ہُوئے ۹ ماہ ہو گئے ہیں۔ مجھے دن رات اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا رہا ہے۔ ہر روز میرے سامنے ایسے لوگ آتے رہے ہیں جن پر کوڑے برسائے گئے اور جو معذور کرائے گئے۔ اور جنھوں نے اپنے بچّوں کو بھُوک سے مرتے دیکھا ہے۔

دُوسری عورت: میرے دو بچے مر گئے اور ایک بچے کو میں نے بیچ ڈالا۔

چھٹی عورت: ۱۹۳۰ء کے قحط میں میرے چار بچّوں میں سے دو مر گئے۔

(وہ سب ایک جگہ اکٹھی ہو کر بڑبڑانے لگتی ہیں)

(باقی آئندہ)

اِن مرتی ہوئی مکھیوں کو بھنبھنانے دو —— ہم اپنے راستے پر اور زیادہ سرگرمی کے ساتھ گامزن رہیں گے



چوہدری لطیف

عوامی تحریک کو سب سے زیادہ نقصان

بائیں بازو کے نام نہاد انقلابیوں نے پہنچایا



عبد القدوس

نمائندۂ الفتح

"اے بائیں بازو کی تحریک کے غدارو! اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے۔ تم نے انقلاب دشمنی اور مزدور دشمنی میں خروشچیف کو بھی مات کر دیا۔ خروشچیف نے "نظریۂ پُرامن بقائے باہمی" کی غلط تشریح کی۔ امریکی سامراج سے اپنا انقلاب دشمن، ناپاک اور مکروہ گٹھ جوڑ چھپانے کے لئے "پُرامن مقابلہ" اور "پُرامن انقلاب" جیسی اصطلاحات گھڑی تھی۔ تم نے سرمایہ داروں، صنعتکاروں اور جاگیرداروں کے ایجنٹوں کا کردار ادا کرنے کے لئے "اصولی اتحاد" "صنعتی امن" جیسی اصطلاحات کا سہارا لیا۔ "متحدہ محاذ" کی من مانی تشریح اور تعبیر کی۔ انقلاب دشمنی میں اتنے آگے بڑھے کہ ماؤزے تنگ کے افکار کو اپنے مکروہ مقاصد اور مفادات کے لئے استعمال کیا۔ بورژوا سیاسی جماعتوں سے ناطہ جوڑ کر انقلاب کی راہ میں دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی لیکن وقت کے بے رحم ہاتھوں نے انقلاب دشمنی اور مزدور دشمنی کو بے نقاب کر دیا۔ سامراج، اجارہ دار سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے تمہارا گٹھ جوڑ واضح ہو گیا ہے۔ پاکستان کے مزدور، کسان، طلبہ اور مظلوم عوام اتنے باشعور ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے دوست اور دشمن میں تمیز کر سکیں"

یہ تاریخی اعلان نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری جنرل چوہدری لطیف نے کیا۔ وہ ۲۰ مئی کو نئی کراچی میں این۔ ایس۔ ایف کی ایک پارٹی میٹنگ سے خطاب کر رہے تھے۔ یہ اجتماع طلبہ اور محنت کشوں کے مثالی اتحاد کا آئینہ دار تھا۔ کیونکہ اس میں محنت کشوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ اتحاد اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ صبح دُور نہیں جس کے عوام منتظر ہیں۔

چوہدری لطیف نے بتایا کہ بائیں بازو کے نام نہاد انقلابی انہیں مارنے اور ٹانگیں توڑنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ انھوں نے ان نام نہاد انقلابیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "تم سے پہلے بھی کئی لوگ این۔ ایس۔ ایف کے کارکنوں کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دے چکے ہیں جب ہم نے ۱۹۶۸ء میں ایوبی آمریت کے خلاف تحریک چلائی تو گوہر ایوب کے غنڈوں نے ٹانگیں توڑنے اور جان سے مارنے کی دھمکیاں دی تھیں۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ این ایس ایف نے کبھی مصلحت کی راہ اختیار نہیں کی۔ این ایس ایف کے جیالے رہنماؤں اور کارکنوں نے ہمیشہ ستونِ دار پر سروں کے چراغ روشن کئے ہیں تاکہ انقلاب کی راہ میں تاریکی حائل نہ ہونے پائے اور اسی "جرم" کی پاداش میں این ایس ایف کے مرکزی صدر ڈاکٹر رشید حسن خاں آج بھی حیدرآباد جیل کی زینت بنے ہوئے ہیں"۔



ڈاکٹر رشید حسن خاں

این ایس ایف کے جیالے رہنماؤں نے ہمیشہ ستونِ دار پر سروں کے چراغ روشن کئے ہیں، تاکہ انقلاب کی راہ تاریک نہ رہے۔

چوہدری لطیف نے بائیں بازو کی تحریک کے غداروں پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے "اصولی اتحاد" اور "صنعتی امن" جیسی غیر انقلابی اصطلاحات گھڑیں۔ سامراج، اجارہ دار سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی سے ساز باز کی۔ بائیں بازو کی تحریک کو نقصان پہنچانے کے لئے طبقاتی کشمکش کو دبانے اور طبقاتی جدوجہد کو معاشی جدوجہد میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ محنت کشوں کو معاشی جدوجہد، روٹی روزگار اور چند مراعات کے حصول کی راہ پر ڈالنے کی مکروہ کوشش کی۔ حالانکہ مزدور تحریک کا مقصد ریاست کی مشینری پر قبضہ کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مل مالکان، انتظامیہ سے محنت کشوں کا "اصولی اتحاد" کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہ محنت کشوں کا استحصال کرتے ہیں۔ استحصالی طبقوں اور استحصال زدہ طبقوں کا کوئی اتحاد یا سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ تاریخ اور تجربات نے ہمیں یہی سبق دیا ہے۔ ان غداروں نے ایک طرف تو مل مالکان سے درپردہ گٹھ جوڑ کر کے مزدوروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، اور دوسری جانب مزدوروں کا دوست بن کر اُن کا روپیہ پیسہ ہڑپ کیا۔ انہوں نے داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کا ۴۸ ہزار روپیہ غبن کیا۔ صحافیوں کے مقدمات لڑنے کے لئے انجمنِ صحافیان کراچی سے آٹھ سو روپے وصول کئے لیکن مقدمات کی پیروی نہیں کی جس کے نتیجے میں مقدمات خارج کر دیئے گئے۔

متحدہ محاذ کی صحیح تشریح کرتے ہوئے چوہدری لطیف نے بتایا کہ متحدہ محاذ صرف مزدور کی قیادت میں مزدور اور کسان کا ہوتا ہے۔ اس میں دُوسرے عوام دوست عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ لیکن قیادت صرف اور صرف مزدور کی ہوتی ہے۔ چیئرمین ماؤزے تنگ نے متحدہ محاذ کی یہی تعریف بتائی ہے۔ لیکن پاکستان میں بائیں بازو کے ان غداروں نے ہمیشہ مزدور کو قیادت دینے سے انکار کیا۔ بورژوا سیاسی رہنما کو قومی سرمایہ دار کا خطاب دے کر اس کی جماعت سے محاذ بنایا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ بورژوا سیاسی جماعت کا اپنا منشور ہوتا ہے۔ جس کا مقصد نظام میں اصلاح کرنا تو ہو سکتا ہے بالکل تبدیل کرنا نہیں۔ اور وہ اپنے منشور کے مطابق ہی کام کرتی ہے۔ ان حالات میں محنت کشوں کا اتحاد اس جماعت سے کس طرح ہو سکتا ہے۔

چوہدری لطیف نے این ایس ایف کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ درس گاہوں سے نکل کر انقلاب کے اصل قائد مزدور اور کسان سے ناطہ جوڑیں۔ اور عملی اقدامات کر کے انقلابی ہونے کا ثبوت دیں۔ اگر ہم نے صرف تقریروں پر زور دیا اور کام نہیں کیا تو آئندہ آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی اور ہمیں انقلاب دشمن گردانیں گی۔ انہوں نے بتایا کہ نام نہاد انقلابی موجودہ صورتِ حال سے گھبرا کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئے ہیں لیکن آپ اِن مرتی ہوئی مکھیوں کو بھنبھنانے دیں۔ ہم اپنے قائد ڈاکٹر رشید حسن خاں کی قیادت میں اپنے راستے پر ہی اور زیادہ سرگرمی کے ساتھ گامزن رہیں گے۔

این۔ ایس۔ ایف کے اس اجتماع کی صدارت این ایس ایف کراچی کے صدر عبد القدوس کر رہے تھے۔ این ایس ایف مغربی پاکستان کے سیکرٹری جنرل چوہدری لطیف اور صوبہ سندھ کے صدر زاہد حسین مہمانِ خصوصی تھے۔

این۔ ایس ایف نئی کراچی یونٹ کے سیکرٹری

عارف غنی نے بتایا کہ این ایس۔ ایف نئی کراچی کے پرانے یونٹ کو کالعدم قرار دے کر نیا یونٹ بنایا گیا ہے۔ کیونکہ پرانے یونٹ کے عہدیداروں نے نام نہاد انقلابی مگر مچھوں کے اشارے پر عوام دشمن سرگرمیاں تیز کردی تھیں۔ وہ این ایس ایف مغربی پاکستان کے صدر ڈاکٹر رشید حسن خاں کے بارے میں غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ شروع کردیا تھا۔ این ایس ایف نئی کراچی کے ایک کارکن اقبال نے یہ انکشاف کیا کہ "پرانے یونٹ کے عہدیدار ہوٹلوں میں زبردستی منفت چائے پیتے اور اگر شامتِ اعمال سے کسی ہوٹل والے نے پیسے مانگ لئے تو اُسے زدوکوب کرتے۔ ایسی حرکتیں این ایس ایف جیسی مزدور دوست طلبہ تنظیم کے لئے بدنامی کا باعث تھیں۔ یہ حرکتیں مسٹر احتشام کے اشارے پر کی جاتی تھیں۔"

سندھ کے نائب صدر شبر اعظمی نے کہا کہ "میں این ایس ایف نئی کراچی کے اُن کارکنوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جنھوں نے سب سے پہلے غداروں کی نشاندہی کی اور این ایس ایف کے اندرونی دشمنوں کو جماعت سے نکال دیا۔ تاریخ نے ہمیں بتایا ہے کہ ہر عوام دوست اور انقلابی تحریک کو غیر مؤثر اور ختم کرنے کے لئے سامراج اور بورژوا عناصر اپنے ایجنٹوں کو انقلابی صفوں میں بھیج دیتے ہیں لیکن عمل اور وقت کے ساتھ ساتھ ایسے دوست نما دشمنوں کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ اب جب کہ دشمنوں کو تنظیم سے نکالا جاچکا ہے۔ ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم طلبہ طبقاتی سماج کی مشین کا کل پرزہ نہیں بنیں گے اور غیر طبقاتی سماج کی راہ ہموار کریں گے۔"

شبر اعظمی کے بعد این ایس ایف لیاقت آباد کے یونٹ سیکرٹری انور شہزاد نے ایک نظم پڑھی۔

اس اجتماع میں محنت کشوں کی نمائندگی کرتے ہوئے مزدور رہنما جناب فتح محمد نے کہا کہ "این ایس ایف ایک انقلابی تنظیم ہے۔ یہ مزدور، کسان دوست طلبہ کی تنظیم ہے اس لئے اس پر محنت کشوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا این ایس ایف کے اپنے کارکنوں کا۔ ہم مزدور یقین دلاتے ہیں کہ جس جگہ این ایس ایف کے کارکنوں کا پسینہ گرے گا وہاں ہم اپنا خون بہائیں گے۔ مجھے اس بات پر دلی مسرت ہوئی ہے کہ آج این ایس ایف نے نام نہاد انقلابیوں سے کھلی جنگ کا اعلان کردیا ہے۔ یہ نام نہاد انقلابی

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں



قارئین کہتے ہیں

"بابوجی شکایت کرنا ہے تو ڈپو پر جاؤ"

گذشتہ دنوں اومنی بس سروس میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ فاصلہ کم تھا لہٰذا دس پیسے کا سکہ کنڈکٹر کو دے کر ٹکٹ طلب کیا۔ کنڈکٹر نے آنکھ مار کر کہا "بابوجی ٹکٹ کیوں ضائع کرتے ہو۔ میرے پاس ہی رہنے دو۔"

میں نے کہا "یہ تو بے ایمانی ہے۔ پیسے لیتے ہو تو پھر ٹکٹ بھی دو۔" کنڈکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا "بابوجی پوری دنیا کا کاروبار بے ایمانی پر چل رہا ہے۔ اگر میں نے دس پیسے بچالئے ہیں تو کون سا گناہ کر دیا۔" کنڈکٹر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا

مجھے اس کی اس ادا پر بڑا غصہ آیا۔ جب وہ دوبارہ میرے سامنے سے گزرا تو میں نے کہا:

"تمہاری کمپلینٹ بک کہاں ہے، میں شکایت لکھوں گا۔" اس نے اس مرتبہ بھی طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا "صاحب! شکایت کرنے والے شکایت کرنے کی دھمکی نہیں دیتے۔ شکایت کی کتاب ڈپو پر ملے گی۔ میرا اور بس کا نمبر لکھ لیجئے اور جو جی میں آئے لکھ کر وہاں جاکر دے دیجئے گا۔"

اسٹاپ پر گاڑی کھڑی ہوئی تو میں نے اس کا بتایا ہوا نمبر ملایا۔ بالکل ٹھیک نکلا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے ایک غیر قانونی حرکت کی اور انتہائی دلیری سے مجھے بس کا نمبر دیتے ہوئے ڈپو جانے کی ہدایت کردی۔ کیا شکایتی کتاب میں اس کے خلاف رپورٹ لکھ کر میں اُسے سزا دلوا سکتا ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر اُسے اس بات کا ڈر ہوتا تو وہ مجھے اپنا اور بس کا نمبر کیوں لکھواتا اور ڈپو جانے کا مشورہ کیوں دیتا۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔

رئیس احمد۔ نرسری۔ کراچی

انسانی قطاریں ڈنڈوں سے درست کی جاتی ہیں

سینما، عوام کی ایک سستی تفریح ہے۔ لیکن اس تفریح کی خاطر کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ شاید اس کا اندازہ آپ نہ کرسکیں۔ ٹکٹ گھر کی قطاریں چابک اور ڈنڈے سے درست کی جاتی ہیں۔ بکنگ کلرک فاضل پیسے واپس نہیں دیتا۔ اگر اس سے کچھ کہا جائے تو اپنے دانت نکوس کر ایسا جواب دے گا آپ جہاں کے تہاں کھڑے رہ جائیں گے انٹرول میں باہر نکلنے پر پابندی عاید کردی جاتی ہے۔ دروازوں پر کھڑے ہوئے مسٹنڈے ملازم اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے آگے بڑھنے والوں کا حوصلہ پست کردیتے ہیں۔ فلم دیکھنے والوں کو انٹرول کا پورا وقت سلاخوں کے پنجرے میں گھٹ گھٹ کر گزارنا پڑتا ہے۔

لوگ سستی تفریح کے لئے سینما دیکھنے جاتے ہیں لیکن مالکان کی بے توجہی اور ملازموں کی بے جا سختی اور بدتمیزی سے یہ تفریح اذیت بن جاتی ہے۔

غلام محمد کراچی

سندھ پانی کو ترس رہا ہے

سندھ کے ہاریوں کی صحیح تصویر شائع کرنے پر مبارکباد قبول فرمایئے۔ اگر ابوسفیان صاحب وڈیروں اور جاگیرداروں کے مظالم بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتادیتے کہ اس صحرا میں جو تھوڑی بہت زمین بیراجوں کی وجہ سے کارآمد بنائی گئی ہے وہ بھی ان بدنصیبوں کے حصہ میں نہیں آتی تو تصویر مکمل ہو جاتی۔

الفتح شروع کرتے وقت آپ کی پالیسی بڑی غیر جانبدار اور پسندیدہ تھی لیکن "زبان کے مسئلہ" پر آپ نے اپنے آپ کو جانبدار ثابت کر دیا۔

میری آپ سے یہ التجا ہے کہ دوسروں کی سُنی ہوئی باتوں اور بتائے ہوئے مطلب پر نہ جایئے۔ خود سندھی پڑھیں اور پھر سندھی شاعری دیکھیں۔ ارشاد صاحب زندہ کر دینے والے الفاظ کی ایسی خوبصورت بندش آپ کو کہیں بھی نہیں ملے گی۔

اس وقت پانی نہ ہونے کی وجہ سے سندھ کے صحرا میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ایڈیٹر صاحب آپ اور جمیل الدین عالی جیسے دانشور صرف یہ سوچیں گے کہ پاکستان کی پیداوار گھٹ رہی ہے لیکن سندھ کے عوام کو پاکستان کی پیداوار گھٹنے کے ساتھ یہ بھی دکھ ہوگا کہ سندھ کی زمین پانی کو ترس رہی ہے۔ ان کے وطن کا صحرا بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

ایڈیٹر صاحب! اطمینان رکھئے۔ سندھ کے عوام اپنے وطن کی خوشحالی اور ترقی میں اپنا حصہ ادا کریں گے وہ پاکستان کی سالمیت پر آنچ نہ آنے دیں گے۔

ن۔ ع۔ سندھ

بلدیہ اور محکمہ صحت وبائی امراض کی روک تھام میں ناکام ہوچکے ہیں

کراچی ان دنوں وبائی امراض کی لپیٹ میں ہے۔ پہلے چیچک کی وبا پھوٹ پڑی پھر آنتوں کی مہلک بیماری نے گھیراؤ کیا۔ خدا خدا کرکے شہریوں کو ان دونوں وبائی امراض سے نجات ملی تو آنکھوں کی پُراسرار بیماری دھمک پڑی۔

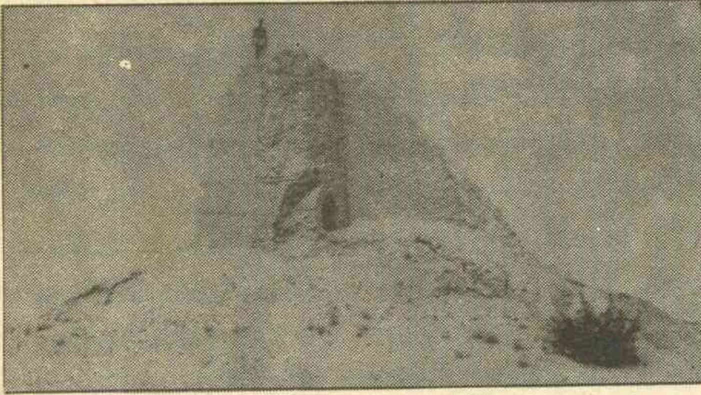
اخبارات میں وبائی امراض کی تفصیلات شائع ہوتی رہیں۔ وبائی امراض کے اسپتال میں قطار میں کھڑے ہوئے مریضوں کی تصاویر اخبارات کی زینت بنتی رہیں مگر تفصیلات سے یہ پتا نہ چل سکا کہ میونسپل کارپوریشن، محکمہ صحت اور دوسرے ذیلی ادارے وبائی امراض کی روک تھام کے لئے کس قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار کرتے رہے۔ کہ مرض کم ہونے کی بجائے بڑھتا گیا۔ ہر سال گرمی کے موسم کی ابتدا میں چیچک، ملیریا، فلو، ہیضہ جیسی خوفناک بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں۔ اس میں

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں



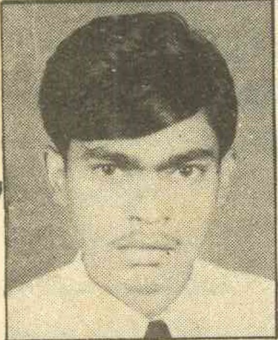


ڈیرہ اسماعیل خاں کے ایک بازار کا منظر



بلوٹ شریف کے آثارِ قدیمہ

ڈیرہ اسماعیل خاں — "ڈیرہ پھلاں دا سہرا"



تحریر: مسعود سہیل

برصغیر کی تقسیم کے وقت پاکستان کے کچھ شہر بُری طرح متاثر ہُوئے۔ ربع صدی گزرنے کے باوجود وہ اپنی پہلی سی حیثیت بحال نہ کر سکے۔ ایسے ہی بدنصیب شہروں میں سے ایک شہر "ڈیرہ اسماعیل خاں" ہے۔ کہتے ہیں کہ ماضی میں اس شہر کو "پھولوں کا شہر" کہا جاتا تھا۔ آج اِس بدنصیب شہر کا کوئی باسی سرائیکی میں اِسے "ڈیرہ پھلاں دا سہرا" کہہ کر پکارتا ہے تو اس کی آنکھوں میں ماضی کی حسین یادوں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خاں، مغربی پاکستان کے نقشے پر جنوب مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہ صوبہ سرحد کا آخری ضلع ہے۔ اس کے مغرب کی جانب پہاڑی سلسلہ میں کوہ ہندوکش کی شاخیں پھیلی ہیں۔ اس پہاڑی سلسلہ میں کوہ سفید، کوہ کیرتھر اور کوہ سلیمان شامل ہیں۔ دریاؤں کی سرکش لہروں نے اسں پہاڑی دیوار میں پانچ شگاف ڈال کر تاریخی اہمیت کے حامل درّے بنا ڈالے ہیں۔

درّہ خیبر، سب سے پہلا اور سب سے اہم تاریخی درّہ ہے جو پشاور کے دہانے پر واقع ہے۔ چوتھا درّہ گومل ہے جو ڈیرہ اسماعیل خاں کے حِصّے میں آیا ہے۔ درّہ گومل سے آگے کوہ کیرتھر شروع ہو جاتا ہے جب کہ اس درّہ کے اردگرد کوہ سلیمان پھیلا ہُوا ہے۔ کوہ سلیمان کی سب سے اونچی چوٹی تختِ سلیمان گیارہ ہزار فٹ بلند ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خاں کے مشرق میں دریائے سندھ بہتا ہے۔ جب کہ شمال کی طرف کوہ شیخ بدین کی پہاڑیاں ہیں۔ انہی پہاڑیوں میں سے "درّہ پیزو" سے ایک پختہ سڑک سرحدی صوبہ کے دیگر شہروں سے جا ملتی ہے۔ جنوب کی طرف ضلع ڈیرہ غازیخاں ہے۔

تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ یہ شہر تقریباً ۳½ ہزار سال قبل وجود میں آیا تھا۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے قصبہ بلوٹ شریف میں کافرکوٹ کے مقام پر صدیوں پرانی تہذیب کی یادگار ہے، اور کھنڈرات آج بھی اس شہر کی گذشتہ عظمت کے امین ہیں۔ لیکن روایت کے مطابق جو سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہے اس شہر کو باقاعدہ حیثیت "اسماعیل خاں" نامی ایک بزرگ نے دی۔ یہ بزرگ بغرضِ تبلیغ وارد ہُوئے تھے اور یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اِسی لئے اس شہر کا نام ڈیرہ اسماعیل خاں پڑ گیا۔ انہی بزرگ کے ایک بھائی "غازیخاں" نے ڈیرہ غازیخاں (صوبہ پنجاب) آباد کیا۔ جب کہ ایک اور بھائی "دریا خاں" نے دریائے سندھ عبور کر کے "دریا خان" (پنجاب) نامی قصبہ آباد کیا۔ ان بزرگوں کی ایک بہن "بنو" تھیں جو شیخ بدین کی پہاڑیاں عبور کر کے تقریباً ۹۰ میل دور جا کر قیام پذیر ہُوئیں۔ لہٰذا وہ جگہ "بنو" کہلائی، جو کہ اب "بنوں" (سرحد) کے نام سے مشہور ہے۔

آزادی سے قبل ڈیرہ اسماعیل خاں فوجی نقطۂ نگاہ سے کافی اہمیت کا حامل تھا۔ یہاں پر برطانوی سامراج کی بہت بڑی چھاؤنی تھی۔ اقتصادی طور پر بھی یہ شہر کافی مستحکم تھا۔ کیونکہ درّہ گومل کے راستے تجارت ہوتی تھی۔ اس شہر میں بمبئی، دہلی اور بنگال کے بڑے بڑے کاروباری اداروں کے ذیلی دفاتر تھے۔ اس کی وجہ سے شہر کی نجی صنعت و تجارت بھی اپنے عروج پر تھی۔

تقسیم کے وقت یہ شہر بڑی حد تک متاثر ہُوا۔ فسادات کی ہولناک تباہی نے اس خوش نصیب شہر کی چمکتی قسمت کو ڈس لیا۔ پھر پاکستان وجود میں آ گیا۔ اس شہر کے باسی حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس کی تعمیر میں لگ گئے۔ ہندوستان سے مہاجرین کے آ جانے سے اس شہر کی رونق کسی حد تک پلٹ آئی لیکن کوششوں کے باوجود یہ شہر اپنی پہلی سی حیثیت بحال نہ کر سکا۔

ڈیرہ اسماعیل خاں پاک افغان تجارت کے کالعدم ہونے سے قبل اقتصادی استحکام حاصل کرتا چلا جا رہا تھا لیکن پاک افغان تجارت کے کالعدم ہوتے ہی اس شہر کی اقتصادی زندگی پر زبردست اثر پڑا ہے۔ مقامی تاجر اور گھریلو صنعت کار مثبت اقدامات کر رہے تھے۔ تاکہ شہر ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔

مقامی تاجر ابھی تانے بانے سلجھا ہی رہے تھے کہ گذشتہ ایوبی دَور میں پاک افغان تجارت ممنوع قرار دیدی گئی جو تا حال برقرار ہے۔ یکایک یہ نو تعمیر شہر گردشِ ایام کے چکر میں پھنس گیا۔ اور دن بدن گمنامی اور پسماندگی کے خول میں بند ہوتا چلا گیا۔

ڈیرہ اسماعیل خاں کے مسائل کا اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو انکشاف ہوگا کہ اس شہر میں ذرائع مواصلات کی کمی اس شہر کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس اٹیمی دور میں جب کہ بنی نوع انسان چاند اور مریخ کا رُخ کر رہا ہے، ڈیرہ اسماعیل خاں کے در و دیوار ابھی تک ریل کے انجن کی سیٹی کو ترس رہے ہیں۔ مشرق میں بہتا ہُوا دریائے سندھ اس شہر کے لئے رحمت کے بجائے "زحمت" ثابت ہُوا ہے، کیوں کہ اس شہر کے قریب سے گزرتے ہُوئے اس کا پاٹ چودہ میل طویل ہو جاتا ہے۔ اُوپر سے سِتم یہ کہ یہ دریا کسی ایک جگہ مستقل مزاجی سے نہیں بہتا موسم سرما میں دریائے سندھ خشک ہو کر ۲، ۳ حِصوں میں بہنے لگتا ہے۔ پھر اِن پر کشتیوں کا عارضی پل باندھ کر "لائٹ ٹریفک" جاری کر دیا جاتا ہے۔ لیکن موسم گرما میں جب کہ دریا اپنے شباب پر ہوتا ہے تو کشتیوں کے پل توڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور اس میں آمد و رفت کے لئے ایک قدیم طرز کا اسٹیمر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسٹیمر کی تعریف میں ایک کالم نویس نے جو الفاظ لکھے ہیں وہ ذیل میں نقل کرتا ہُوں۔

"عجائباتِ عالم کے اُن امیدواروں میں سب سے پہلا نمبر اس اسٹیمر کا آتا ہے جسے ہم نے دریا خاں اور ڈیرہ اسماعیل خاں کے درمیان دریائے سندھ میں رینگتے دیکھا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسٹیمر نہیں، بلکہ قدیم زمانے

کا کچھوا ہے۔ لیکن ہم کیسے مانیں، یہ تو کچھوے سے بھی آہستہ رینگ رہا تھا۔ البتہ اُس کی بزرگی سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کی دریافت سے قبل "کولمبس" کے ذاتی استعمال میں رہا ہوگا۔"

اس مختصر سے اسٹیمر میں انسانوں کے علاوہ گدھے، اونٹ، اگاتے بیل اور دیگر مولیشی بھی ہمراہ ہوتے ہیں۔ اس اسٹیمر سے اُتر کر قدیم زمانے کی کشتیوں میں بیٹھنا بھی لازمی ہے جن کے لئے سرائیکی زبان میں کہاوت ہے "بیڑی دی دُھپ تہ متراِئی ماں دی جھک" یعنی کشتی کی دھوپ اور سوتیلی ماں کے رویّہ میں چنداں فرق نہیں۔ آپ گرمیوں کے موسم میں دریا خاں کے راستے ڈیرہ اسمٰعیل خاں تشریف لائیے۔ اگر آپ کے ہوش و حواس برقرار رہیں تو آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ چودہ میل کی مسافت چودہ گھنٹے میں کس طرح طے ہوتی ہے۔ دریائے سندھ پر مستقل پل نہ ہونے کے سبب شہر کی تجارتی زندگی سخت متاثر ہے۔ اس شہر کا تاجر اقتصادی بدحالی کا شکار ہے کیونکہ یہاں تجارتی لین دین پنجاب اور دیگر شہروں سے جنوب اور شمال مشرق سے ہوتا ہے جن پر غیر معمولی اخراجات آتے ہیں۔ اور جس کا براہِ راست اثر یہاں کی نجی زندگی پر پڑتا ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خاں قدرتی طور پر زرعی شہر ہے اور کوئی بھی زرعی شہر اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اُسے آبپاشی کے مواقع میسر نہ آئیں۔ اس شہر میں جدید نظامِ آبپاشی تو کجا ابتدائی ذرائع بھی پوری طرح حاصل نہیں۔ اقتصادی حالت کو سدھارنے کے لئے مواصلات اور آبپاشی کی سہولتیں مہیا کرنا شرطِ اوّلین ہے۔

ذرائع آبپاشی کے لئے دریائے سندھ سے ایک نہر بھی نکالی گئی ہے جسے "نہر پہاڑپور" کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ نہر مخصوص علاقہ کی ضروریات پوری کرتی ہے لیکن اس نہر کو سارا سال جاری رکھنے میں کئی تکنیکی دشواریاں حائل ہیں۔ اس شہر میں "ٹیوب ویل اسکیم" بھی فروغ پا رہی ہے لیکن اس راہ میں نوکر شاہی نے کئی رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ اس اسکیم سے صرف بڑا زمیندار ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

ذرائع آبپاشی کو موثر بنانے کے لئے "گومل زام اسکیم" کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا لیکن وہ ۱۹۶۵ء سے التوا میں پڑا ہے۔ اگر یہ اسکیم پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے تو ڈیرہ اسماعیل خاں کی معیشت مضبوط ہو جائے گی

ڈیرہ اسماعیل خاں کی پسماندگی اور گمنامی کی ایک وجہ یہاں کے خود غرض سیاستدان بھی ہیں۔ جنھوں نے ہمیشہ اپنی لیڈری چمکانے کے لئے احباب پرستی، دھونس اور دھاندلی کے بل بوتے پر اس شہر کے حقوق پامال کئے ہیں۔ یہاں کی سیاست ہمیشہ ہی سے بڑے بڑے زمینداروں اور لوئر زدہ خیالات کے لوگوں کے پاس رہی ہے، جو ہمیشہ "یا شیخ اپنی اپنی دیکھ" کی پالیسی پر گامزن رہے ہیں۔ انھیں مقامی مسائل سے کوئی سروکار نہیں لیکن اب وادیٔ گومل کے جیالوں کو زیادہ عرصہ اُن کے حقوق سے دُور نہیں رکھا جا سکتا۔

وہ ایسے سیاستدانوں کا محاسبہ کریں گے، جو انہیں ابھی تک اُن کے حقوق کے نام پر بیوقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرتے رہے ہیں۔

ڈیرہ اسماعیل خاں کی پسماندگی جب ہی دُور ہو سکتی ہے۔ جب یہاں کے مسائل ہنگامی طریقہ پر حل کئے ہیں۔ ذرائع مواصلات، اور نظامِ آبپاشی کو جدید طرز پر استوار کیا جائے۔ پاک افغان تجارت بحال کی جائے۔ پھر اُسے مقامی باشندوں کے علاوہ پاکستان کا بچہ بچہ فخر سے "ڈیرہ پھلاں دا سہرا" کہہ کر پکاریگا۔ پھر اس ویران شہر سے غمگین نوحوں کی جگہ خوشحالی کے نغمات جنم لینے لگیں گے۔

کوئٹہ

بلوچستان کے کھیت مزدور دوہرے استحصال کا شکار ہیں

محمود مری بلوچ

قبائلیت کے ابتدائی ایام میں "قومی زمینوں" کا تصور یہ تھا کہ جو زمین کاشت کرتا تھا، وُہی پیداوار کا مالک بھی تھا۔ جوں جوں قبائلی سردار استحصالی ہتھکنڈوں سے واقف ہوتے گئے، انھوں نے مختلف حیلے بہانوں سے عوام کو لوٹنا شروع کیا۔ خاص کر بلوچستان میں "منزوٗ" پالیسی کے طفیل بلوچی سردار اس قدر طاقتور بن گئے کہ انھیں عوام کے استحصال اور لوٹ کھسوٹ کی ہر طرح کی آزادی حاصل ہو گئی۔ چنانچہ قومی اراضیات سردار کے نام پر قومیالی گئیں۔ اور سردار اپنے اس وحشیانہ طرزِ عمل کے دَور سے لے کر آج کے لیڈرانہ عہد تک عوام کو مختلف صورتوں میں لوٹ رہا ہے۔ شروع میں جب قومی زمینوں کا وہ مالک بن گیا تو سرداری "پنجک" یعنی تمام اراضیات میں آباد و زرخیز زمینوں کے ⅕ کا وہ مالک تھا۔ اور باقی اراضیات کی پیداوار کا ⅙ حصّہ کھیت مزدور سے بطور خراج وصول کرتا تھا۔ اور ہر دس سال بعد زمینوں کی تقسیم نو کے بہانے اپنی ویران زمینیں "قومی" تحویل میں دے دیتا اور اُس کے بدلے میں آباد و زرخیز زمین بطور پنجک اپنے نام کرا لیتا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب گذشتہ سالوں میں حکومت نے علاقہ میں بندوبست اراضیات کا کام شروع کیا۔ بندوبست اراضیات کے وقت عوام کو یہ تاثر دیا گیا کہ اب وہ سردار کی لوٹ کھسوٹ اور استحصال سے نجات پائیں گے۔ اور لگان صرف حکومت ہی وصول کرے گی۔ چنانچہ مختلف علاقوں میں زمین کی زرخیزی اور پیداوار کی شرح سے حکومت نے مستقل لگان فی ایکڑ مقرر کیا۔ لیکن بندوبست اراضیات کے بعد کھیت مزدور دوہری مصیبت کا شکار ہو گئے۔ جب سردار کے نائبین کے "شتشک" یعنی پیداوار کے ⅙ حصہ وصول کرنے کے بعد حکومت کے نمبردار نے فی ایکڑ مقرر کردہ لگان وصول کرنے کا مطالبہ شروع کیا۔ ایوبی آمریت میں معتبر اور نمبردار کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ تحصیل میں یہ رپورٹ کرتا کہ "فلاں شخص شرپسند ہے" چنانچہ "شرپسندی" کی رپورٹ کے ڈر سے کھیت مزدور تمام عرصے میں بیک وقت "سردار" اور "سرکار" کو ٹیکس ادا کرتے رہے۔

گذشتہ عام انتخابات کے دوران سردار سے رہنما تک نے "شتشک" کی وصولی میں نرمی برتی اور عوام سے وعدہ کیا کہ انتخابات میں کامیابی کے بعد کھیت مزدور کو دوہری ادائیگی سے نجات دلائیں گے۔ چنانچہ بلوچستان کے طول و عرض میں عوام نے اُن سردار نما استحصالی رہنماؤں کو ووٹ دیکر کامیاب کرایا۔ لیکن انتخابات کے چار ماہ بعد "تباہی" ہونے لگی تو سرداروں کے مسلح افراد نائبین کی سرکردگی میں شتشک وصول نے پہنچ گئے لیکن اب کے مرتبہ عوام نے دوہری ادائیگی سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایوبی دَور کے نمبرداروں اور معتبروں کی جگہ متعین سرداروں نے وہی چال چلی اور تحصیل میں رپورٹ کر دی کہ کھیت مزدوروں کے نمائندے "شرپسند" ہیں اور امنِ عامہ کو تباہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ کاشت کاروں کے چند نمائندوں کو گرفتار کیا گیا اور انھیں حراست میں کچھ دن رکھنے کے بعد ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

دریں اثنا چھوٹے زمینداروں اور کاشتکاروں کے ایک وفد نے پیپلز پارٹی کے امان اللہ گچکی سے ملاقات کی۔ انھوں نے اُنھیں پُرامن رہنے کی تلقین کی اور وعدہ کیا کہ اس مسئلے کو پارٹی کی سطح پر حل کرنے کی جدوجہد کی جائے گی چنانچہ وہ خود اس سلسلے میں کراچی پیپلز پارٹی کے رہنما سے صلاح مشورہ کرنے کے لئے چلے گئے اور کاشتکاروں کے ایک وفد کو کوئٹہ پارٹی رہنماؤں سے صلاح مشورہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

کوئٹہ میں کاشت کاروں کے نمائندگان محمد صالح، محمد کریم اور خیر محمد نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور سرداروں کے ظلم و تشدد پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے اس پریس کانفرنس میں بتایا کہ "قلات میں سردارانِ قبائل نے زمینداروں اور محنت کش کسانوں کی فصلوں کو زبردستی تصرف میں لینے اور ⅙ حصہ سرداری محصول وصول کرنے کے لئے جبر و تشدد کی کارروائیاں شروع کر دی ہیں جس کے باعث زمینداروں اور کسانوں میں زبردست تشویش اور بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ ماضی میں پوری فصل کا ⅙ حصّہ سردار قبیلہ وصول کیا کرتا تھا۔ اس جابرانہ رسم کے خلاف عوام نے بارہا آواز بلند کی اور کئی مرتبہ اس سلسلے میں ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے۔"

چھوٹے زمینداروں کے نمائندوں نے پریس کانفرنس میں مزید بتایا کہ "گذشتہ انتخابات سے قبل قلات ڈویژن کے سردارانِ قبائل بالخصوص سردار عطاء اللہ مینگل اور بزنجو قبیلے کے سردار غوث بخش بزنجو نے اپنی تقریروں میں لوگوں سے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد سرداری محصول ختم کر دیں گے۔" چنانچہ وقتی طور پر لوگوں کو تسلی ہو گئی اور انہوں نے انتخابات میں اُن کا ساتھ دیا۔

مطلب براری کے بعد سردار مینگل اور بزنجو

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمایئے

افسر شاہی اور صنعتکاروں کا گٹھ جوڑ ختم کرکے

ٹیکسوں کی وصولی کا ڈھانچہ بدل دیا جائے

صفحہ ۴ سے آگے

دوسری طرف کراچی میں صدر یحییٰ سے ملاقات کے دوران تاجروں اور صنعت کاروں نے بھی بجٹ کے سلسلے میں اپنی تجاویز پیش کر دی ہیں ظاہر ہے کہ یہ تجاویز انہوں نے اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے پیش کی ہوں گی۔ صدر مملکت نے مشرقی پاکستان کے واقعات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے سنگین اقتصادی بحران کو دُور کرنے کے لئے اُن سے تعاون طلب کیا ہے۔ تاجروں اور صنعت کاروں نے کس قسم کے تعاون کا یقین دلایا ہے، یہ تو معلوم نہیں ہو سکا، البتہ اخباروں سے یہ پتہ چلا ہے کہ صدر نے اُن پر پیداوار اور برآمد میں اضافہ کرنے پر زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں انہیں مراعات بھی دی جائیں گی۔ برآمدی بونس، ٹیکس کی چھوٹ وغیرہ۔ جہاں تک ان پر ٹیکس لگنے کا تعلق ہے اس کا انھیں کبھی غم نہیں ہُوا۔ وہ آسانی سے یہ ٹیکس صارفین کو منتقل کر سکتے ہیں۔ اس طرح عام آدمی بالواسطہ اور بلا واسطہ ٹیکسوں کی زد میں آئے گا۔ اس پر ستم یہ کہ اس عام آدمی سے کہا جا رہا ہے کہ وہ کفایت کو اپنا شعار بنائے۔ فضول خرچ تو وہ ہوتا ہے جس کی الّلے تلّلے آمدنی ہوتی ہے۔ یہاں تو آمدنی صِفر ہے اور جہاں تک خرچ کا تعلق ہے وہ اتنا بھی اُس کے اختیار میں نہیں جتنا زندہ رہنے کے لئے ضروری ہوتا ہے

لاہور میں پاکستان کونسل آف ٹریڈ یونینز کے صدر نے کہا ہے کہ پیداوار بڑھانے کے لئے مزدور طبقہ روزانہ بارہ گھنٹے کام کرنے کو تیار ہے۔ اس سے بڑی قربانی وہ اور کیا دے سکتا ہے۔ اس کے پاس محنت کا بیش قیمت اثاثہ ہے۔ وہ کوئی جتنا چاہے اُس سے لے لے۔ اب تک جتنی کچھ صنعتی ترقی ہُوئی ہے وہ مزدور کی ایسی ہی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ ایک خوشحال معاشرہ کے قیام کی جدوجہد میں مزدوروں نے حصّہ لیا ہے اتنا کسی نے نہیں لیا لیکن ان کی محنتوں اور کوششوں سے خوشحالی چند ہی لوگوں کے حصّے میں آسکی۔ اگر آجروں کا استحصالی طبقہ مزدوروں کی بے بسی اور افلاس سے فائدہ اٹھانے کا چلن چھوڑ دے۔ ان کی محنت کو قدر و منزلت دے تو وہ اور بھی زیادہ قربانیاں دے سکتے ہیں۔ پیداوار صنعتکار نہیں بڑھائیں گے، مزدور بڑھائیں گے۔ وہ صلے میں صرف اپنی محنت کا احترام چاہتے ہیں۔

اب رہا بجٹ میں ڈیڑھ ارب روپے کے متوقع خسارے کا سوال تو یہ سارا خسارہ صنعتکاروں تاجروں، بڑے اور چھوٹے سرمایہ داروں سے ٹیکسوں کے واجبات وصول کرکے پورا کیا جا سکتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ارب روپے کے ہی ٹیکس ان دولت مندوں پر واجب الادا ہیں۔ ان کا کوئی حساب نہیں ہے کیوں کہ اتنی رقم کے ٹیکس چوری کئے گئے ہیں۔ اتنی رقم کا نقصان قومی خزانے کو پہنچایا گیا ہے۔ یہ نقصان تاجروں اور صنعتکاروں سے پورا کرایا جائے تو بجٹ کا خسارہ پورا کرنے کے لئے ایک پیسے کا بھی نیا ٹیکس لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ بلکہ حکومت کے لئے کچھ ٹیکس واپس لینے کی گنجائش نکل آئے گی۔ اس کے ساتھ ہی ماہرین اقتصادی منصوبہ بندی کو بھی اپنا پرانا ڈھرّا بدلنا ہوگا۔ یہ جو آسان سی ترکیب انھوں نے آمدنی بڑھانے کی یہ نکالی ہے کہ ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا جائے، تو یہ ترکیب اب نہیں چلے گی۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ حکومت کی آمدنی عام استعمال کی چیزوں پر محصول کی شرح میں کمی کرنے سے بڑھ سکتی ہے اور مصنوعات میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔

ہمارے ہاں ٹیکسوں کا پورا نظام ہی نہایت ناقص اور فرسُودہ ہے اس میں انقلابی تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ ٹیکسوں کی چوری میں بدعنوان افسر شاہی کا بڑا ہاتھ ہے۔ سرمایہ دار حکومت کو لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کا فریب اس لئے دیتے ہیں کہ بددیانت افسران کی پشت پناہی کو موجود ہوتے ہیں۔ ایک لاکھ روپیہ چار افسروں کو دیکر حکومت کے پانچ لاکھ روپے کے ٹیکس ادا کرنے سے کوئی صنعت کار بچ جاتا ہے تو یہ سودا کیا بُرا ہے۔ ایک لاکھ کا خرچ اور چار لاکھ کا منافع۔ ٹیکسوں کی وصولیابی کا موجودہ نظام بددیانت افسر شاہی اور دولت مندوں کے گٹھ جوڑ ہی کی وجہ سے اب تک چلا آتا ہے۔ بڑے بڑے صنعتکار اور کارخانہ دار ٹیکس بچانے کے لئے کس طرح بیلنس شیٹ تیار کرتے ہیں۔ کس طرح خام مال کی خریداری، اسٹاک اور دیگر اخراجات کا حساب کتاب رکھتے ہیں اور کس طرح سے بہت تھوڑا سا منافع دکھا کر بہت معمولی ٹیکس کی گنجائش نکالتے ہیں ان ساری جعل سازیوں کا افسران متعلقہ کو علم ہوتا ہے۔ اسی علم کی وہ قیمت لیتے ہیں اور حکومت میں رہتے ہُوئے حکومت کو دھوکا دیتے ہیں۔ ان سے باز پرس کون اور کب کرے گا۔ موجودہ اقتصادی بحران کا تقاضہ ہے کہ ان بدعنوان افسروں، بے ایمان تاجروں اور صنعت کاروں سے پائی پائی کا حساب لیا جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یقین جانئے مشرقی پاکستان از سرِ نو تعمیر ہو جائے گا اور جس خوشحالی اور خود کفالتی کا خواب پوری قوم ۲۳ سال سے دیکھ رہی ہے۔ اس کے شرمندہ تعبیر ہونے کا یقین بھی حاصل ہو جائے گا۔

بقیہ: اداریہ

بھی وہ دیں۔ کھیت اُن کے دم سے لہلہائیں، غلہ اُن کے دست و بازو کی محنت سے پیدا ہو۔ مشین کا پہیہ ان کے ہاتھوں گھومے لیکن انھیں زندگی کی رمق اور روشنی کی کرن بھی نصیب نہ ہو۔ اس وقت عام آدمی بری طرح پس رہا ہے، تڑپ رہا ہے۔ موجودہ حالات نے اُس کی کمر توڑ دی ہے۔ آنے والے خدشات نے اُسے اور پریشان کر دیا ہے۔ بارہ کروڑ گھرانوں میں سے مٹھی بھر گھرانوں کے علاوہ سب میں وقت گزارنا انتہائی کٹھن ہو چکا ہے۔ عام آدمی کی حالت بہت خراب ہے۔ اُسے ہر لمحہ کانٹوں پر سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ قدم قدم پر اُسے کچلا جاتا ہے۔ ہر سانس گھُٹ کر آتا ہے۔ وہ آجکل خوشحالی کا تصور تو کیا کرے گا اسے روزانہ کی زندگی گزارنا دشوار ہے۔ عام آدمی کا اگر خیال نہ کیا گیا، اُسے اگر چکّی کے پاٹوں میں اس طرح پسنے دیا گیا تو حالات تشویشناک ہو جائیں گے۔ اس بحران سے بھی اگر استحصالی طاقتوں کو اپنے ہاتھ رنگنے کا موقع دیا گیا تو اقتصادی عدم توازن آئندہ حالات کو اور پیچیدہ بنا دے گا۔ سوچنے سمجھنے اور منصوبے بنانے والے ذرا نیچے اُتریں اور اس کرب کو محسوس کریں جس کی آنچ عام آدمی کو ہر لمحہ اور ہر گھڑی بے چین رکھتی ہے۔

لاہور میں

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا اجلاس

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن مغربی پاکستان کی مرکزی کمیٹی کی ایک میٹنگ ۱۳ جون کو ۱۰ بجے، مرکزی دفتر، ایبک روڈ، انارکلی لاہور میں ہوگی۔ اس میٹنگ میں بعض اہم اور ضروری مسائل پر غور و خوض کیا جائیگا

علی یاور اور کلیم درانی کو این ایس ایف سے نکال دیا گیا : صفحہ ۱۰ سے آگے

عوامی تحریک کا رُخ موڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں تاریخ بتاتی ہے کہ جب سامراج اور اس کے حواریوں کے خلاف تحریک چلتی ہے تو اس کے ایجنٹ عوامی صفوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ہماری غلطی یہ تھی کہ ہم نے قیادت ان غداروں کو سونپ دی۔ اب جب کہ یہ عناصر بے نقاب ہو گئے ہیں تو وہ اوچھے حربوں پر اُتر آئے ہیں۔ آج اُن کے تنخواہ دار ملازم نئی کراچی میں یہ منادی کرتے پھر رہے تھے کہ این ایس ایف کی میٹنگ ملتوی ہو گئی۔ یہ غلط پروپیگنڈہ کر کے ہماری اس میٹنگ کو ملتوی کروانا چاہتے تھے۔" جناب فتح محمد نے اپنی تقریر میں ڈاکٹر رشید حسن خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

اس کے بعد این ایس ایف کی مجلسِ عاملہ کے رکن شہریار مرزا نے مہمانِ خصوصی چوہدری لطیف اور زاہد حسین کو صحیح انقلابی بتاتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ بورژوا سماج میں جامعہ سے اعلیٰ ڈگریاں لینے کے بعد بھی اس استحصالی نظام کا کل پرزہ نہیں بنے بلکہ انھوں نے مزدوروں اور کسانوں سے رشتہ جوڑا۔ ہمارے ملک کے نام نہاد انقلابی نام تو انقلاب کا لیتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ انقلاب کے دُشمن، مزدور دشمن، کسان دُشمن اور طلبہ دُشمن ہیں۔

این۔ ایس۔ ایف صوبہ سندھ کے صدر مسٹر زاہد حسین نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عوامی تحریک کے دوران جہاں سامراج، سرمایہ دار، اور نوکر شاہی سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے وہاں اپنی صفوں میں چھپے ہوئے غداروں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہماری صفوں میں چھپے ہوئے غداروں نے ہمیشہ انقلابی جدوجہد کو چند مراعات اور چند سکوں کے عوض فروخت کر دیا۔ انتخابات کا بائیکاٹ کیا لیکن اس بورژوا سیاسی جماعت کے ساتھ رہے جس نے انتخابات میں حصّہ لیا۔ ہمیں اپنے اوپر بھی تنقید کرنی چاہیئے کہ ہم اپنے آپ کو انقلابی کہلاتے ہیں لیکن اس کے معیار پر پورے نہیں اُترتے۔ ہم نے مزدوروں اور کسانوں سے ناطہ نہیں جوڑا۔ عوام نے ہر طرح کی قربانی دی لیکن ہم نے اُنھیں انقلابی سوچ نہیں دی۔ گذشتہ انتخابات میں عوام نے ثابت کر دیا کہ انقلاب کی رہنمائی کے دعوے دار عوام سے بہت پیچھے تھے۔

اب بھی موقع ہے کہ ہم حقیقت پسندی سے کام لیں۔ درس گاہوں سے نکل کر مزدوروں اور کسانوں سے ناطہ جوڑیں، نعروں کے بجائے عملی جدوجہد کا ثبوت دیں۔ اور انقلاب کی قیادت مزدور کو سونپیں۔ کیونکہ تاریخ نے قیادت کا منصب صرف مزدور کو سونپا ہے۔

آخر میں صاحبِ صدر عبدالقدوس نے مہمانِ خصوصی چوہدری لطیف اور زاہد حسین کو یقین دلایا کہ این ایس ایف کراچی ہمیشہ مزدوروں، کسانوں اور طلبہ کے غداروں کے خلاف جدوجہد کرتی رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ "ہم نہایت خلوص سے دھوکا کھاتے رہے۔ ہمیں بائیں بازو کی تحریک کے غداروں سے کوئی ذاتی مخالفت یا دُشمنی نہیں اور نہ ہی قیادت کا مسئلہ ہے۔ بلکہ یہ اختلاف نظریاتی ہے۔ ہمیں عمل سے ثابت کرنا چاہیئے کہ اُن کی سوچ غلط اور انقلاب دُشمن تھی"۔

اس سے اگلے دن ڈو میڈیکل کالج میں این ایس ایف کی مجلسِ عامہ کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں این ایس ایف مغربی پاکستان کے نائب صدر علی یاور اور این ایس ایف کراچی کے جوائنٹ سیکرٹری کلیم درانی کو تنظیم کے مفاد کے خلاف کام کرنے اور نقصان پہنچانے کے الزام میں چارج شیٹ دی گئی۔ ان دونوں ارکان نے دو دن کے اندر اس چارج شیٹ کا جواب نہ دیا۔ بالفاظ دیگر انھوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ چنانچہ ۲۶ تاریخ کو این ایس ایف کراچی کی مجلسِ عامہ نے علی یاور اور کلیم درانی کو بنیادی رکنیت سے خارج کر دیا۔ علی یاور کیونکہ این ایس ایف مغربی پاکستان کے نائب صدر ہیں اس لئے ان کے اخراج کے فیصلہ کی توثیق کرنے کے لئے ۱۲ / ۱۳ جون کو این ایس ایف کی مرکزی مجلسِ عاملہ کا اجلاس لاہور میں ہو رہا ہے جس میں ان کا فیصلہ کیا جائیگا۔

بقیہ : ایک جنر کی کہانی

انسانوں کا بنایا ہُوا قانون چلتا ہے۔ پولیس ہے، تھانہ اور عدالتیں ہیں، جہاں تخریب کاروں اور بے رحم قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جاتا ہے یہاں قاتل کی سزا موت ہے۔ قتل کرنے والوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ سماج دُشمن عناصر کے ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور خان بادشاہ، احمد علی اور دُوسرے کئی افراد کو قتل کرنے والے بچ سکیں گے۔ وہ کب تک اپنے آپ کو قانون کی گرفت سے بچائے رکھیں گے۔ کہاں بھاگ کر جائیں گے۔ وہ جہاں جائیں گے انسانیت اُن کے سامنے دیوار بن جائے گی۔ آخر وہ اپنے آپ سے بھاگ کر دنیا کے کس گوشے میں پناہ حاصل کریں گے۔

کراچی مختلف طبقات کا شہر ہے۔ یہاں امیر بھی رہتے ہیں اور غریب بھی۔ کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالکان، اگر سوسائٹی اور ڈیفنس کالونی میں رہائش پذیر ہیں تو ملیر، سعود آباد، کورنگی، لانڈھی، قصبہ کالونی اور نئی کراچی میں محنت کش طبقہ رہتا ہے۔ دونوں طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد گوشت پوست کے بنے ہُوئے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے درمیان ایک واضح اور امتیازی فرق بھی موجود ہے۔ ایک طبقے کو خصوصی حقوق اور مراعات حاصل ہیں جب کہ دوسرا طبقہ زندگی کے ضروری اور بنیادی حقوق سے بھی محروم ہے۔ فکرِ معاش اور روزگار کی تلاش محنت کش طبقے کو کشاں کشاں کھینچے پھرتی ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور بہت زیادہ خوشحال تو نہیں ہوتے، پھر بھی اُن کی آمدنی اُن کی گزر بسر کے لئے کافی ہوتی ہے۔ وہ دن کے علاوہ رات کو بھی ٹیکسی چلاتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ دن میں ٹیکسی چلا کر ٹیکسی مالکوں کو جو کرایہ ادا کرتے ہیں رات کے وقت انھیں اس کا نصف کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے اس طرح دوسری شفٹ میں انھیں معقول آمدنی ہو جاتی ہے جو اُن کی معاشی اور سماجی الجھنوں کو حل کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

رات کے وقت ٹیکسی ڈرائیور کو عام طور پر شہر سے دُور نواحی علاقوں میں جانا پڑتا ہے۔ کیونکہ کورنگی، لانڈھی، ملیر اور بعض دوسری نواحی بستیوں میں ۱۲ بجے کے بعد بسیں چلنی بند ہو جاتی ہیں۔ اس طرح اُن بستیوں کے بے شمار افراد جو اپنی کاروباری اور پیشہ وارانہ مجبوریوں کے سبب دیر سے گھر جاتے ہیں اُن کے لئے یہ ٹیکسیاں رحمت ثابت ہوتی ہیں اور وہ روپیہ بارہ آنے دیکر اپنی بیوی بچوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ ٹیکسی ڈرائیوروں کو لوٹنے اور قتل کرنے کی وارداتیں بھی عام طور سے شہر سے دُور دراز نواحی علاقوں میں جنم لیتی ہیں۔ سنسان اور طویل راستوں میں ٹیکسی ڈرائیوروں کو آسانی سے زیر کر کے اُنھیں دہشت گردی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اگر اُن راستوں کی نگرانی کی جائے جو ان علاقوں کی طرف جاتے ہیں اور ویران اور سنسان گزرگاہوں پر قانون کی حکمرانی قائم کر دی جائے تو شاید ایسی اندوہ ناک وارداتوں کا سلسلہ رُک جائے۔ پھر ممکن ہے کوئی خان بادشاہ یا احمد علی اتنی بیدردی سے قتل نہ ہو سکے کہ کسی عورت کا سہاگ اس طرح سے نہ اُجڑے۔ اندھے باپ کو جواں بیٹے کی موت پر آہ و زاری نہ کرنا پڑے اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے یتیمی کے داغ سہنے سے بچ جائیں۔

بقیہ : ہنزہ سے چاٹگام تک

نے محنت کش لوگوں سے کئے ہُوئے وعدے یکسر نظرانداز کر دیئے اور حالیہ بٹائی میں اُن کے کارندے مسلح ہو کر سرداری حصہ وصول کرنے پہنچ گئے۔ لوگوں نے مزاحمت کی تو ان کے مسلح کارندوں نے فصلوں پر قبضہ کر لیا اور بارہ افراد کو بدامنی پھیلانے کے الزام میں گرفتار کرا دیا۔

نمائندوں نے مزید انکشاف کیا کہ "سرداروں کے جابر اور مسلح کارندے برابر دھمکیاں دے رہے ہیں کہ انہوں نے اگر سردار کے حکم کی تعمیل نہ کی تو انہیں زمینوں سے محروم کر دیا جائے گا"۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ کسانوں کو مال و جان سے ہاتھ دھونے کی دھمکیاں بھی دیتے ہیں اور پریس کانفرنس کے آخر میں اُن نمائندوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ انھیں سرداروں کی لوٹ کھسوٹ اور جبر و تشدد سے نجات دلائی جائے۔ اس کے علاوہ وہ بہت جلد اس معاملہ کو قانونی عدالت میں چیلنج کریں گے۔

بقیہ : قارئین کہتے ہیں

کئی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ متعلقہ ادارے بروقت ان بیماریوں کی روک تھام میں ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمیں معلوم ہے کہ وبائی امراض کی مصیبت ہر سال ٹوٹتی ہے تو پھر ہم قبل از وقت پیش بندیوں میں ناکام کیوں رہتے ہیں؟ کیا ہمارے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ ان بیماریوں کی مستقل روک تھام کی کوئی صورت نکل آتے اور ہر سال بے شمار انسانی جانیں ضائع ہونے سے بچ جائیں؟

نصیر حیدر۔ کراچی



مئی ۱۹۷۰ء سے مئی ۱۹۷۱ء

ہفت روزہ الفتح کا پہلا سال بھی ہے اور پاکستان کی تاریخ کا اہم سال بھی ہے

- انتخابی ہنگامے • عوامی جدوجہد • انتخابات میں اسلام پسندوں کی شکست • مجیب، بھٹو، یحییٰ مذاکرات
- بھارتی امریکی اور روسی سازش کی ناکامی ——— ان واقعات کے ہر پہلو پر

ہفت روزہ الفتح کراچی

ایک شاندار سالنامہ پیش کر رہا ہے



بھارت کے خفیہ عزائم کے بارے میں ذوالفقار علی بھٹو چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی کا اہم خصوصی اور مفصل مضمون

لکھنے والے

احمد ندیم قاسمی صفدر میر ابراہیم جلیس شوکت صدیقی ابن انشا جمیل الدین عالی عبدالحمید عدم قتیل شفائی
مولانا کوثر نیازی فارغ بخاری ہاجرہ مسرور ظفر اللہ پوشنی ایم کے جنجوعہ اقبال مہر خدیجہ مستور
حسن عابدی ایم جے زاہدی منہاج برنا افضل صدیقی زین الدین خاں لودھی معراج محمد خاں طارق عزیز علی احمد
عابد زبیری انور سجاد اور بہت سے دوسرے حضرات

ضخامت: معمول سے زیادہ قیمت:- ایک روپیہ سرورق: سات رنگوں میں

نیوز پرنٹ کی شدید قلت کی وجہ سے الفتح کا سالنامہ تاخیر سے شائع ہوگا

ایجنٹ حضرات مطلوبہ تعداد سے جلد آگاہ کریں • مشتہر حضرات جلد از جلد جگہ محفوظ کرا لیں

جنرل مینیجر ہفت روزہ الفتح - ۸۷ - ڈی - کمرشل ایریا - پی - ای - سی - ایچ - ایس - نرسری - کراچی

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
3 - 10 JUNE, 1970

